۱۷۲واں باب

صلح حدیبیہ، مخالفتِ قریش کا آخری نشان

زائرینِ حرم کا قافلہ اپنے خون کے پیاسے قابضینِ حرم کے درمیان

"قریش کو لڑائیوں نے توڑ ڈالا ہے اور سخت نقصان پہنچایا ہے اس لیے اگر وہ چاہیں تو ان سے ایک مدت طے کر لوں۔ اور وہ میرے اور لوگوں کے درمیان سے ہٹ جائیں۔ اور اگر وہ چاہیں تو جس چیز (یعنی اسلام) میں لوگ داخل ہوئے ہیں اس میں وہ بھی داخل ہو جائیں۔ ورنہ ان کو سکون تو حاصل ہی رہے گا۔ اور اگر انھیں لڑائی کے سوا کچھ منظور نہیں تو اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں اپنے دین کے معاملے میں ان سے اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک کہ میری گردن تن سے جدا نہ ہو جائے یا جب تک اللہ اپنا فیصلہ نافذ نہ کر دے۔"

[حدیبیہ میں ٹھہرے ہوئے وقفہ کے دوران نبی ﷺ کا قریش کو پیغام]

باب # ۱۷۲

صلح حدیبیہ، مخالفتِ قریش کا آخری نشان

زائرینِ حرم کا قافلہ اپنے خون کے پیاسے متولیانِ حرم کے درمیان

سنہ ۶ ہجری اس لحاظ سے مبارک تھا کہ اس مرتبہ پورا رمضان عافیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے مدینے میں گزارا، رمضان کے دوران کوئی بھی جنگی مہم درپیش نہیں تھی۔ عید کے مہینے، شوال کی بالکل آخری تاریخوں میں یا ذوالقعدہ کی ابتدائی کسی شب کے آخری پہر رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ مکہ معظمہ تشریف لے گئے ہیں اور وہاں عمرہ ادا فرمایا ہے اس طور کہ آپؐ کے بال تراشیدہ ہیں، آپؐ کے ہاتھ میں کعبہ کی کنجی ہے اور آپؐ اپنے اصحاب کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ نبیؐ کا خواب ظاہر ہے کہ خواب و خیال نہیں ہوتا تھا وہ تو ایک نوع کی وحی ہوتا ہے، یہ خواب ہی تھا جو ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کے حکم پر اُس کی رضا کے لیے ذبح کرنے لگے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہونے والی سُوْرَۃُ الْفَتْح میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ بیان بھی فرمادیا کہ عمرہ ادا کرنے والا وہ خواب ہم ہی نے اپنے رسولؐ کو دکھایا تھا۔ اس لیے درحقیقت یہ محض ایک خواب نہ تھا بلکہ ایک اشارہ تھا جس کی تعمیل رسول اللہؐ کے لیے فرض تھی اور جب وہ ایسا کر گزریں گے تو وہ کعبے میں مسلمانوں کے داخلے کے حق کو تسلیم کیے جانے کی ایک تمہید بن جائے گی۔

قریش سے لڑائی جھگڑا ایک طرف، ذوالقعدہ کا محترم مہینہ شروع ہو رہا تھا، عمرے کے لیے جانے کا یہ عمدہ موقع تھا۔ صدہا برسوں کی روایات کے مطابق حرمت والے مہینوں میں حدودِ حرم میں اپنے دشمنوں سمیت کسی کو بھی چھیڑا نہیں جاسکتا تھا اور عمرے کا احرام باندھ کر غیر مسلح آنے والے کسی بھی فرد کو خواہ وہ اُن کا برسرِ جنگ دشمن ہی کیوں نہ ہو روکا نہیں جاسکتا تھا، اور ان روایات کی پابندی متولیانِ کعبہ، قریش کی ذمہ داری تھی، اس سے روگردانی اُن سے کعبے کی تولیت کے نااہل قرار پانے کے مترادف تھی۔

آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس خواب کی اطلاع دی تو انھیں بڑی مسرت ہوئی۔ اور انھوں نے یہ سمجھا کہ اس سال مکہ میں داخلہ نصیب ہوگا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو یہ بھی بتلایا کہ آپ ﷺ عمرہ ادا فرمائیں گے۔ لہٰذا صحابہ کرام بھی سفر کے لیے تیار ہوگئے۔

مسلمانوں کے لیے عمرے کا معاملہ اتنا سادہ اور آسان نہیں تھا۔ اگرچہ پچھلے برس انھی دنوں قابضین حرم، قریش جو احزاب کو چڑھا لائے تھے کم و بیش ایک ماہ مدینے کا ناکام محاصرہ ختم کر کے، جوتے چھوڑ کر بڑے بے آبرو ہو کر بھاگے تھے، لیکن اس بے آبروئی کا یہ مطلب ہر گز نہیں تھا کہ گزشتہ ۶ برس سے انھوں نے مسلمانوں کے لیے بیت اللہ کا جو راستہ بند کر رکھا تھا وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے اور اُن کے ساتھ صحابہ کی ایک بڑی جمعیت کے لیے کھول دیں گے، جب کہ خود مسلمانوں نے جواباً قریش کی معیشت کا ستیاناس کرنے کے لیے شام کو جانے والے اُن کے تجارتی راستے جو گزشتہ پانچ برس سے بند کر رکھے تھے، نہیں کھولے تھے! اِن حالات میں رسول اللہ ﷺ کا عمرے کے لیے جنگی ساز و سامان ساتھ لے کر نکلنا گویا خود لڑائی کو دعوت دینا تھا اور غیر مسلح جانے کے معنی اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان خطرے میں ڈالنا تھا۔ اُس دور میں حجاز میں رہنے والا کوئی صاحبِ ہوش و حواس شخص یہ گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ مسلمان مکہ میں قدم رکھ سکتے ہیں، صادق الایمان مسلمانوں کے لیے تو رسولؐ کے توسط سے اللہ تعالیٰ کا اشارہ مکے کی جانب نکل پڑنے کے لیے کافی تھا مگر کمزور ایمان والوں اور منافقین کے سامنے تو یہ خودکشی کے مترادف تھا کہ اس اشارے پر عمل کیا جائے تو کیسے کیا جائے؟

صحابہ کرامؓ نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ آپؐ نے آس پاس کے قبائل میں بھی اعلان عام کرا دیا کہ رسول اللہؐ اپنے رفقاء کے ہم راہ عمرے کے لیے جا رہے ہیں جو بھی اُن کے ساتھ چلنا چاہے وہ آ جائے۔ منافقین نے جانا کہ یہ لوگ موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی آپؐ کے ساتھ چلنے پر آمادہ نہ ہوا۔ اسی طور بیشتر اعراب نے بھی تاخیری حربے اختیار کیے، سب کی دیکھا دیکھی اسلام کے چڑھتے اقتدار اور اُس کی شان دیکھ کر اور اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے یہ لوگ مسلمان ہو گئے تھے، وہ اس لیے تو مسلمان نہیں ہوئے تھے کہ اپنی جان بھی داؤ پر لگا دیں گے! مگر مخلص مسلمانوں کو اس بات کی کوئی پروانہ تھی کہ کیا ہو گا؟ اُن کے لیے اُن کے رسولؐ کو اللہ کا عمرے کے لیے نکل پڑنے کا اشارہ کافی تھا وہ تعمیلِ حکم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اب کوئی چیز ان کو رسول اللہؐ کی معیت میں مر مٹنے اور قربان ہو جانے سے نہیں روک سکتی تھی۔ کم و بیش ۱۴۰۰ صحابہ کرامؓ اللہ کے رسولؐ کی معیت میں اپنے خون کے پیاسے اژدہوں کے منہ میں گھسنے کے لیے تیار ہو گئے، غزوہ احزاب کی کامیابی اور بنو قریظہ کے عبرت ناک انجام کے بعد فتحِ خیبر نے دور و نزدیک مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی تھی اور اسلام کے غلبے کا یقین مہیا کر دیا تھا، سال بھر میں مخلصین کی تعداد میں چار

سو کا اضافہ ایک زبردست اضافہ تھا، یاد رہے کہ پچھلے برس احزاب کا مقابلہ کرنے کے لیے پورے ایک ہزار بھی دستیاب نہیں تھے۔

آپؐ کے ہمراہ چلنے کے لیے قرعہ اُم المومنین ام سلمہؓ کے نام نکلا تو وہ بھی ہم سفر تھیں۔ آپؓ کے علاوہ دو اور خواتین قبیلہ بنو مازن بن نجار کی امّ عمارہ نسیبہؓ بنت کعب اور دوسری امّ منیع اسماءؓ بنت عمرو، قبیلہ بنو سلمہ والی۔ یہ دونوں وہی عظیم خواتین تھیں جو بیعتِ عقبہ ثانیہ کے موقع پر مدینے سے مکہ آپ ﷺ کو مدینے تشریف لانے کی دعوت دینے والوں کے ساتھ گئی تھیں؛ اور انصاری صحابیہ سیّدہ نسیبہؓ تو اُن نو صحابہ کرام (سات انصاری مرد اور دو مسلمان خواتین) میں سے ایک تھیں جنھوں نے غزوہ اُحد میں کفار کے بڑھتے ہوئے دستوں پر تیروں کی بوچھاڑ کی ایک مثال قایم کی تھی جب رسول اللہ ﷺ کی جان شدید خطرے میں تھی۔

آپ ﷺ کے اور آپؐ کے تمام صحابہؓ کے پاس مسافرانہ ہتھیار یعنی میان میں ملفوف ایک ایک تلوار کے سوا کوئی اور ہتھیار نہیں تھا۔ جس کی عرب کے معروف قاعدے کے مطابق تمام زائرینِ حرم کو رکھنے کی اجازت تھی۔ بعض صحابہ نے کچھ ایسے ہتھیار بھی ساتھ رکھ لیے جن کی شکار کے وقت ضرورت پڑ سکتی تھی۔ سعدؓ بن عبادہ نے تجویز پیش کی کہ سب کو ہتھیار بند ہو کر چلنا چاہیے کہ قریش سے کیا بعید کہ محترم مہینہ ہونے کے باوجود موقع سے فائدہ اُٹھا کر حملہ کی جرأت کر بیٹھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں ہتھیار لے کر نہیں جاؤں گا، میری نیت زیارت بیت اللہ کے سوا کچھ نہیں ہے"۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق نکلنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے کپڑے دھوئے۔ مدینہ پر ابن اُمِ مکتومؓ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اور اپنی قصواء نامی اونٹنی پر سوار ہو کر یکم ذوالقعدہ ۶ ہجری بروز پیر روانہ ہوئے۔ آپؐ ننگے سر اور بغیر سلی دو چادروں کے احرام میں تھے، ایک بدن کے نچلے حصے کو ڈھانپنے کے لیے بطور تہبند باندھی ہوئی تھی اور دوسری اوپر کے جسم کی پردہ پوشی کے لیے شانے پر ڈالی ہوئی تھی۔ عمرے کی نیت سے دو نفل ادا فرمائے اور تلبیہ (لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لاَ شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لاَشَرِيْكَ لَكَ) کا ورد شروع کیا۔ بیشتر اصحابؓ نے بھی آپؐ کی پیروی کی لیکن کچھ لوگوں نے اسے موخر رکھا کہ اگر موقع ہوا تو شکار کر سکیں گے اور احرام باندھنے کے بعد تو شکار ممنوع ہو جاتا ہے!

یہ مبارک قافلہ مدینہ سے نکلا، ذوالحلیفہ پہنچا، یہاں کچھ کو چھوڑ کر باقی سب نے بھی عمرے کا احرام باندھا، اور پوری فضا سوزِ عشق اور وفورِ شوق میں ڈوبے تلبیہ کی گونج سے لرز اُٹھی۔ یہاں سے قبیلہ خزاعہ کے ایک

صحابی بسر بن سفیانؓ کو آگے روانہ کیا کہ وہ دیکھیں کہ قریش کا اس قافلے کی "پذیرائی" کے لیے کیسا ردِّ عمل ہے، اور وہ قریش کے ارادوں اور ان کی نقل و حرکت سے آپ ﷺ کو بروقت مطلع کرتا رہے۔ قربانی کے لیے ۷۰ اونٹ ساتھ تھے تاکہ اُن کو قربان کر کے اہلِ مکہ کے غریبوں میں گوشت تقسیم کیا جاسکے۔ اونٹوں کی گردنوں میں ھدی (قربانی کے لیے نامزد جانور) کی علامت کے طور پر قلاوے پڑے ہوئے تھے۔ قربانی کے جانوروں کی اور اُن کو لے کر چلنے والوں کی شناخت کے لیے زمانہ قدیم سے عرب میں یہ رواج تھا کہ بھیڑ بکریوں کے گلے میں قلادہ ڈال دیا جاتا تھا اور اگر اونٹ ہے تو کوہان پر زخم لگا کر کوہان کو خون آلود کر دیا جاتا تھا۔ ایسے جانوروں کا اور اِن کو لے کر حرم کی طرف جانے والوں کا احترام کرنا نیکی اور اِن کو چھیڑنا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ رسول اللہؐ نے قربانی کے لیے لائے جانے والے تمام اونٹوں کو پیش کرنے کا حکم دیا، پھر اُن میں سے ایک اونٹ کے کوہان کی داہنی جانب نشان لگا کر اُس کو نذر کے لیے وقف کیا اور حکم دیا کہ باقی اونٹوں کو بھی اسی طرح اللہ کے لیے وقف نذر کیا جائے۔ رسول اللہؐ نے جس اونٹ کو وقفِ نذر کیا وہ ابوجہل کا وہ اونٹ تھا جس پر سوار ہو کر وہ بدر کے میدان میں آیا تھا۔ غنیمت میں یہ اونٹ نبی ﷺ کے حصے میں آیا اور آپؐ نے اس کو یہاں قربان کرنے کا فیصلہ کیا۔

اِدھر اُدھر آنے جانے والے مسافروں اور قافلوں کے ذریعے پورے عرب میں مدینے سے نکلنے والے اِن ایک ہزار چار سو زائرینِ حرم کی دور و نزدیک دھوم مچ گئی۔ سب کی، خصوصاً عرب کے قبائل کے بااثر لوگوں اور سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والے دانش وروں کی نگاہیں اس حیران کن قافلے کے انجام پر مرکوز ہو گئیں، اکثر لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ قافلہ لڑنے کے لیے نہیں جا رہا ہے بلکہ ماہ حرام میں، احرام باندھ کر، ھدی کے اونٹ ساتھ لیے ہوئے بیت اللہ کا طواف کرنے جا رہا ہے اور مکمل غیر مسلح ہے۔ لوگ جاننا چاہتے تھے کہ روایات کے مطابق اِنھیں حرم میں داخل ہونے دیا جائے گا یا خلاف ضابطہ قریش اپنی ناک اونچی رکھنے کے لیے اِن کو گھسنے نہیں دیں گے یا اِن کے غیر مسلح ہونے سے فائدہ اُٹھا کر اِن کو قتل کرنے اور گرفتار کرنے کی کوشش کریں گے اور اس صورتِ حال میں بدر و اُحد میں قریش کی لاشوں کے ڈھیر لگانے والے اور سارے عرب کی متحدہ افواج کو مدینے میں گھسنے سے باز رکھنے کی ہمت و طاقت رکھنے والے یہ مسلمان جوابی کاروائی میں کیا رویّہ اختیار کریں گے؟ جاننے والے جان گئے کہ بظاہر یہ ایک قافلہ ہے لیکن اس کا انجام جو بھی ہو، یومِ غم واندوہ آنے والے ایّام کی صورت گری اور تاریخ کا ایک رخ متعین کرے گا۔ جہانوں کے رب نے طے کر لیا تھا کہ اُس

کے نبیؐ کا جھنڈا بلند ہوگا اور جاہلیت دم توڑے گی۔

قریش کو مسلمانوں کی روانگی نے سخت پریشانی میں ڈال دیا۔ ذی القعدہ کا مہینہ ان حرام مہینوں میں سے تھا جو صدہا برس سے عرب میں حج وزیارت کے لیے محترم سمجھے جاتے تھے۔ اس مہینے میں جو قافلہ احرام باندھ کر حج یا عمرے کے لیے جارہا ہو اسے روکنے کا کسی کو حق نہ تھا۔ قریش نے فوری طور پر صلاح و مشورے کے لیے مجلس منعقد کی۔ گزشتہ صدہا برسوں میں اُنھیں ایسی ناگوار صورتِ حال سے کبھی سابقہ نہیں پیش آیا تھا۔ بنو کنانہ سے اُن کی دشمنی چلی آرہی تھی لیکن ہر برس وہ حج اور عمرے کے لیے محترم مہینوں میں حرم میں بلا روک ٹوک موجود ہوتے تھے۔ اگر حرم کے نگہبان قریش، محمد ﷺ اور اُس کے ساتھیوں کو عمرے سے روکتے ہیں تو اُن کا یہ اقدام اُن قوانین کی شدید ترین خلاف ورزی پر محمول ہوگا جن کی پاس داری کی وجہ سے قریش کی عظمت قایم تھی۔ ہر قبیلہ اس تشویش میں مبتلا ہو جائے گا کہ آئندہ کسی کو حج اور عمرہ کرنے دینا یا نہ کرنے دینا اب قریش کی مرضی پر منحصر ہو گیا ہے، جس سے بھی قریش کی لڑائی ہو گی وہ اُسے حج اور عمرہ کرنے سے اسی طرح روک دیں گے جس طرح آج مدینے کے ان زائرین کو روک رہے ہیں۔ اور اگر وہ مسلمانوں کو بلا روک ٹوک عمرہ کرنے دیتے ہیں تو جنگِ احزاب میں مسلمانوں کے ہاتھوں ہزیمت اُٹھانے کے بعد اطمینان سے اِن مسلمانوں کا حرم میں آنا اور بلا خوف و خطر واپس چلے جانا، قریش کے مقابلے میں محمد ﷺ کی فتح اور بالادستی پر مہر تصدیق ثبت کر دیتا۔ قریش کے لیے 'پائے ماندن نہ جائے رفتن' والی صورت حال تھی اور مسلمانوں کے لیے چت بھی اُن کی تھی اور پٹ بھی اُن ہی کی تھی!

قریش کے لیے بالائے ستم ایک اور خطرہ بھی تھا وہ یہ کہ اُن کا پروپیگنڈا تھا کہ قریش دینِ ابراہیمی کے پیرو کار ہونے کے ناطے ابراہیم کے تعمیر کردہ گھر کے مُتولّی ہونے کے حق دار ہیں اور محمد (ﷺ) بن عبداللہ کا ابراہیم علیہ السلام کے جائز حق دار ہونے کا دعویٰ محض باطل ہے۔ وہ گھبرائے ہوئے تھے کہ جب وہ مسلمانوں کو اُسی قدیم ابراہیمی طریقے پر حج کرتے ہوئے دیکھیں گے تو اُن کے پروپیگنڈے کے غبارے کی ساری ہوا نکل جائے گی اور اہلِ عرب کے لیے توحید خالص کو تسلیم کرنا آسان ہو جائے گا۔

فوری طور پر صلاح و مشورے کے لیے بلائی گئی مجلس میں ساری اونچ نیچ پر غور کیا گیا اگرچہ غرور کا سر کچلا جا چکا تھا ابوسفیان، خالد بن ولید، عمرو بن العاص اور خاندانِ بنو ہاشم میں اب وہ چھ، سات برس قبل والی اکڑ باقی نہیں تھی لیکن عکرمہ، صفوان اور ہند بنت عتبہ جیسے جوشِ انتقام میں اندھے لوگ ہی مشوروں اور فیصلوں پر

غالب رہے اور اوّل الذّکر اس لیے موثر نہ ہو سکے کہ کہیں اُنھیں بزدلی کا طعنہ نہ سننا پڑے۔ فیصلہ یہی ہوا کہ "واللہ مسلمان حرم میں آجائیں، ایسا اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہم میں ایک آنکھ بھی ایسی ہو جس میں زندگی کی چمک باقی ہو، ہم کبھی بھی ایسا نہیں ہونے دیں گے۔"

قافلہ روحا پہنچا تو اللہ کے رسول ﷺ کو اطلاع ملی کہ بحیرہ احمر کی جانب مشرکین کا ایک گروہ جمع ہے۔ ابو قتادہؓ اور اُن کے کچھ ساتھیوں نے ذوالحلیفہ میں احرام نہیں باندھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اِن حضرات پر مشتمل ایک دستے کو مشرکین کی نگرانی کے لیے بھیج دیا۔ ساتھ ہی عباد بن بشرؓ کی قیادت میں اپنے بیس (۲۰) اصحابؓ کے ایک دستے کو قافلے کے آگے ایک مناسب فاصلے پر حالات کا جائزہ لیتے ہوئے چلنے پر مامور کیا۔

خبر رسانی کے لیے آگے جانے والے صحابی بسر بن سفیانؓ خزاعی نے عسفان پہنچنے پر آپؐ کو اطلاع دی کہ میں کعب بن لوی کو اس حالت میں چھوڑ کر آرہا ہوں کہ انھوں نے آپؐ سے مقابلہ کرنے کے لیے اپنے حلیف جنگجو قبیلے احابیش (یہ عرب قبیلے ہیں نہ کہ افریقی حبشی جیسا کہ نادانی سے لوگ گمان کرتے ہیں۔ یہ لوگ مکہ سے چھ میل کے فاصلے پر آباد تھے۔ یہ بنو کنانہ اور دیگر عرب قبائل جیسے بنو حارث بن عبد مناۃ بن کنانہ، بنو مصطلق بن حیا بن سعد بن عمر اور بنو الہون بن خزیمہ کی مختلف شاخیں ہیں جو ایک "حبشی" نامی پہاڑ کے دامن میں رہائش پذیر ہونے کی بنا پر احابیش کہلاتے تھے) کو جمع کر رکھا ہے۔ اور دیگر قبائل کی جمعیتیں بھی آپؐ سے لڑنے اور آپؐ کو بیت اللہ سے روکنے کے لیے بُلالی ہیں اور وہ تہیہ کیے ہوئے ہیں کہ کسی قیمت پر آپؐ کو حرم میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ قریش کے لوگ پوری تیاری کے ساتھ ذی طویٰ کے مقام پر پہنچ گئے ہیں اور خالد بن ولید کو انھوں نے ۲۰۰ سواروں کے ساتھ کراع الغمیم کی طرف آگے بھیج دیا ہے تاکہ وہ آپؐ کا راستہ روکے۔ قریش کی چال یہ تھی کہ زائرینِ مدینہ کو کسی نہ کسی طرح چھیڑ چھاڑ کر کے مشتعل کریں اور پھر اگر لڑائی ہو جائے تو پورے ملک میں یہ مشہور کر دیں کہ یہ لوگ عمرے کے بہانے لڑنے ہی کے لیے آئے تھے اور قربانی کے جانور اور احرام محض دھوکہ دینے کے لیے تھے۔

اس اطلاع کے بعد نبی ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور پوچھا: کیا آپ لوگوں کی یہ رائے ہے کہ وہ قبائل جو قریش کی اعانت پر کمربستہ ہیں ہم اُن کی بستیوں پر ٹوٹ پڑیں اور قبضہ کر لیں؟ یا یہ کہ ہم خانہ کعبہ کا رُخ کریں۔ اور جو راہ میں حائل ہو اُس سے لڑائی کریں؟ اس پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ بہتر

جانتے ہیں۔ ہم عمرہ ادا کرنے آئے ہیں، کسی سے لڑنے نہیں آئے ہیں۔ البتہ جو ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو اُس سے لڑائی کریں، نبی ﷺ نے فرمایا: اچھا تب چلو۔ چناں چہ لوگوں نے سفر جاری رکھا۔

رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کے دستے کی کراع الغمیم پر موجود ہونے کی اطلاع پاکر راستہ تبدیل کر دیا، اِس مقصد کے لیے ایک پُر پیچ راستہ اختیار کیا جو پہاڑی گھاٹیوں کے درمیان سے ہو کر گزرتا تھا۔ آپؐ داہنی جانب کترا کر حمش کے درمیان سے گزرتے ہوئے ایک ایسے راستے پر چلے جو ثنیۃ المرار نامی مقام پر نکلتا تھا۔ یہاں پہنچ کر اونٹنی بیٹھ گئی، یہ بڑی مبارک اونٹنی تھی جسے ابو بکرؓ نے سفر ہجرت کے لیے خریدا اور کھلا پلا اور تیار کر کے اپنے رفیق ﷺ کو پیش کیا تھا لیکن آپؐ نے یہ مبارک سفر اپنی خریدی ہوئی سواری پر کرنا زیادہ مناسب جانا تھا اور دوست کو اِس کی قیمت ادا کی تھی۔ یہ وہی اونٹنی ہے جس نے ابو ایوب انصاریؓ کے گھر کے سامنے رک کر اشارہ دیا تھا کہ سردارِ مدینہ کی نئی قیام گاہ کہاں ہو گی۔ ثنیۃ المرار پر جب یہ اونٹنی بیٹھ گئی تو صحابہؓ نے چلنے کے لیے ہل ہل کے بہت آوازے لگائے، لیکن وہ بیٹھی ہی رہی۔ لوگوں نے کہا کہ لگتا ہے قصواء تو اڑ گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں قصواء اڑی نہیں ہے اور نہ اس کی یہ عادت ہے، اِسے اُس ہستی نے روک رکھا ہے جس نے (ابرہہ کے ہاتھی کو حرم کی جانب آگے بڑھنے سے) روک دیا تھا۔

پھر آپؐ نے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی، جس کے دستِ (قدرت) میں میری جان ہے! یہ لوگ (رؤسائے قریش) کسی بھی ایسے معاملے کا مطالبہ نہیں کریں گے جس میں اللہ کی حُرمتوں کی تعظیم کر رہے ہوں (یعنی جس مطالبے سے شعائرِ بیت اللہ کی توہین و تنقیص اور اللہ کی نافرمانی کی بو نہ آتی ہو) لیکن میں اُسے (خواہ وہ ہمیں کتنا ہی گراں کیوں نہ ہو، پر اَمن طریقے سے معاملات کو طے کرنے کی خاطر) ضرور تسلیم کر لوں گا۔ اس کے بعد آپؐ نے اونٹنی کو ذرا سا جھڑکا تو وہ اُچھل کر کھڑی ہو گئی، پھر آپؐ نے راستے میں تھوڑی سی تبدیلی کی اور حدیبیہ کی حدود کے آغاز میں پہنچنے پر پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا، حدیبیہ عین حرم کی سرحد پر واقع تھا، اس طرح اللہ وحدہ لا شریک نے آپؐ کو بغیر کسی جنگ و جدل کے قریش کی ساری تدابیر کے خلاف حدود حرم میں داخل ہونے میں کامیاب کر دیا، آپؐ کو حرم کے قریب نہ پہنچنے دینے کے لیے خالد بن ولید کی سرکردگی میں بھیجا ہوا کفار کا مسلح دستہ کراع الغمیم کے مقام پر دیکھتا ہی رہ گیا، جب خالد بن ولید کو نبی ﷺ کے حدیبیہ پہنچ جانے کی اطلاع ملی تو وہ ناکام و نامراد واپس مکے پہنچا اور اُس کے دل میں یہ یقین جاگزیں ہو گیا کہ کوئی نہ کوئی بڑی بلند و بالا ذات محمد (ﷺ) کی مدد اور رہ نمائی کے لیے اُس کی پشت پر موجود ہے۔ اُس کا یہ گمان بعد میں اُس کے

ایمان کا موجب بنا۔

قریش کو جب معلوم ہوا کہ آپؐ حدیبیہ کی جانب نکل آئے ہیں تو وہ تیزی سے حدیبیہ کی مکے سے ملنے والی پٹّی پر پہنچ گئے اور جلدی سے البلدہ کے پانی کے چشموں پر قبضہ کر لیا، حدیبیہ میں آگے کوئی پانی کا اتنا ذخیرہ نہیں تھا کہ ۱۴۰۰ زائرین کو پینے کا پانی مہیا کر سکے۔

مسلمانوں نے دوسرے کنارے پر جہاں پڑاؤ کیا تھا وہاں قریب میں پانی کا تقریباً ناکارہ ہو چلا ایک چشمہ تھا، جس میں قافلے کے لیے بہت تھوڑا اور انتہائی ناکافی پانی تھا۔ لوگوں نے اُس سے بہت احتیاط سے تھوڑا تھوڑا سالینا شروع کیا تو جلد ہی اُس کا سارا پانی ختم ہو گیا۔ لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے پیاس کی شکایت کی۔ آپؐ نے ایک تیر دیا اور کہا کہ اسے چشمے میں ڈال دیں۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا، اس کے بعد اللہ کی قدرت سے اُسی خشک ہو چلے چشمے سے مسلسل پانی اُبلتا رہا یہاں تک کہ تمام لوگ آسودہ ہو کر ہی چشمے سے پلٹتے رہے۔

یہاں ٹھہرے ہوئے کچھ وقت ہوا تھا کہ مکہ کے نواح میں آباد بنو خزاعہ کے دو بدو سردار تحفتاً کچھ بھیڑیں اور اونٹ زائرین کے طعام کے لیے لے کر حاضر ہوئے جن سے تمام قافلے والوں کی مدارت کا سامان ہو گیا۔ قریش سے قبل خزاعہ کا قبیلہ کسی زمانے میں حرم کا سرپرست اور نگہباں تھا۔ اس قبیلے میں اسلم، کعب اور مصطلق کے قبائل شامل تھے۔ گو اکثریت نے اسلام قبول نہیں کیا تھا مگر اس قبیلے کے افراد دل و جان سے مسلمانوں کے خیر خواہ تھے۔ قریش کے مقابل مسلمانوں کی جانب اِن کا میلان بڑا فطری اس لیے تھا کہ اِن کے پرانے اور شدید دشمن بنو بکر کا قریشِ مکہ کے ساتھ قدیم حلیفانہ معاہدہ چلا آ رہا تھا۔ دشمن کے مقابلے میں توازن برقرار رکھنے کے لیے قریش سے برسرِ جنگ مسلمانوں سے اتحاد اُن کے لیے بڑی تقویت کا باعث تھا۔ یہ پس منظر عنقریب فتح مکہ کا پیش خیمہ بننے جا رہا تھا جو اسلامی تاریخ اور محمد عربی ﷺ کے کارناموں کا کلائمکس ہے۔ فی الوقت بنو بکر اور بنو خزاعہ میں کوئی جنگ جاری نہیں تھی اور قریش اور بنو خزاعہ ایک دوسرے سے محتاط رہتے ہوئے غیر حریفانہ میل جول رکھتے تھے۔ بھیڑ اور اونٹوں کے یہ تحفے لانے والوں میں بنو خزاعہ کا ایک سردار بدیل ابن ورقہ بھی شامل تھا۔ جب اسے رسول اللہ ﷺ کی آمد کی خبر ملی تو وہ اپنے چند ساتھیوں کو لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ آپؐ کو قریش کے عزائم سے باخبر کر سکے۔ اس نے بتایا کہ وہ لوگ اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ آپؐ اور بیت اللہ کے درمیان راستہ کھلا نہ چھوڑیں گے، یہاں تک کہ اُن کا آخری فرد بھی اس مقصد میں قربان نہ ہو جائے۔ بدیل نے کہا: میں کعب بن لوئی کو (یعنی قریش کو) دیکھ کر آ رہا ہوں کہ وہ

حدیبیہ کے بالائی جانب پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ ان کے ہمراہ عورتیں اور بچے بھی ہیں۔ وہ آپؐ سے لڑنے اور آپؐ کو بیت اللہ سے روکنے کا ناقابل تبدیل عزم کیے ہوئے ہیں۔ اور اس نے آپؐ سے پوچھا کہ آپؐ کس غرض کے لیے آئے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے، بیت اللہ کی زیارت اور اس کے طواف کے علاوہ کوئی اور بات ہمارے مقاصد میں نہیں ہے۔ آپؐ نے مزید کہا کہ قریش کو (ہمارے ساتھ) لڑائیوں نے توڑ ڈالا ہے اور سخت نقصان پہنچایا ہے، اس لیے اگر وہ چاہیں تو ان سے ایک مدت طے کر لوں۔ اور وہ میرے اور دوسرے لوگوں (غیر قریش) کے درمیان سے ہٹ جائیں۔ اور اگر وہ چاہیں تو جس چیز (یعنی اسلام) میں لوگ داخل ہوئے ہیں اس میں وہ بھی داخل ہو جائیں۔ ورنہ (اپنے دین پر قایم رہتے ہوئے) ان کو سکون تو حاصل ہی رہے گا۔ اور اگر انھیں لڑائی کے سوا کچھ منظور نہیں تو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں اپنے دین کے معاملے میں ان سے اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک کہ میری گردن تن سے جدا نہ ہو جائے یا جب تک اللہ اپنا فیصلہ نافذ نہ کر دے۔ قارئین یاد کر سکتے ہیں کہ کم و بیش یہی وہ بات ہے جو تیرہ برس قبل قریش کے وفد کی ابو طالب کے سامنے شکایات کے جواب میں آپؐ نے فرمائی تھی۔

بُدَیل نے وعدہ کیا کہ آپؐ کا جو کچھ بھی موقف ہے میں اسے قریش تک پہنچا دوں گا۔ اس کے بعد وہ قریش کے پاس پہنچا۔ اور بولا: میں مدینے سے آنے والے ان صاحب کے پاس سے آرہا ہوں میں نے ان سے ایک بات سنی ہے، اگر چاہو تو پیش کر دوں۔ اس پر قریش کو تکبر نے آلیا، وہ خزاعہ کے بارے میں جانتے تھے کہ وہ محمد (ﷺ) کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں اور بُدَیل کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ محمد (ﷺ) کو بغیر عمرہ کیے واپس جانے پر آمادہ نہیں کر پایا ہے لہٰذا مزید اُس کی بات سننے کا کیا حاصل،۔ قریش کے سرداروں میں سے ایک، عکرمہ بن ابی جہل نے کہا: ہمیں کوئی شوق نہیں کہ ہم تم سے اُن کی کوئی بات سُنیں۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ سننے کے لیے بے تاب تھے، عروہ نے عکرمہ کی بات پر کہا کہ یہ رویّہ لایعنی ہے، ہمیں سننا چاہیے۔ صفوان بولا اچھا لاؤ سناؤ تم کیا سن سنا کر آئے ہو؟ بُدَیل یوں گویا ہوئے کہ محمد (ﷺ) نے کہا ہے کہ:

> "قریش کو لڑائیوں نے توڑ ڈالا ہے اور سخت نقصان پہنچایا ہے اس لیے اگر وہ چاہیں تو ان سے ایک مدت طے کر لوں۔ اور وہ میرے اور لوگوں کے درمیان سے ہٹ جائیں۔ اور اگر وہ چاہیں تو جس چیز میں لوگ داخل ہوئے ہیں اس میں وہ بھی داخل ہو جائیں۔ ورنہ ان کو سکون تو حاصل ہی رہے گا۔ اور اگر انھیں لڑائی کے سوا کچھ منظور نہیں تو اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں اپنے دین کے معاملے میں ان سے اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک کہ میری گردن تن سے جدا نہ ہو جائے یا جب تک اللہ اپنا فیصلہ نافذ نہ کر دے۔"

قریش کے اکابرین کے دلوں نے گواہی دی کہ جو کچھ کہا گیا ہے قطعی مناسب ہے، چناں چہ اُنھوں نے مکرز بن حفص کو بھیجا۔ جب اُس نے آپؐ کے پاس آکر گفتگو کی تو آپؐ نے اُس سے وہی بات کہی جو بُدَیل اور اس کے رفقاء سے کہی تھی۔ اس نے واپس پلٹ کر قریش کو بُدَیل بن ورقہ کی بات کی تصدیق کی۔ بُدَیل نے اُن کو مشورہ دیا کہ وہ ان زائرین حرم کا راستہ نہ روکیں، سرداران قریش نے اُس کی بات پر غور کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا، وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔

سردارانِ قریش اپنی بڑائی کے زعم میں مسلمانوں کو اس قابل بھی نہیں سمجھ رہے تھے کہ شرافت و سلیقے سے مسلمانوں سے براہِ راست گفتگو کریں، چناں چہ اپنے خیال میں بدیل بن ورقہ پر محمد (ﷺ) کا جادو چل جانے کے بعد اُنھوں نے احابیش (بنو کنانہ) کے ایک سردار حلیس بن علقمہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا کہ وہ آپؐ کو قریش کے غیض و غضب سے ڈرائے اور کسی طور بغیر عمرہ کیے مدینہ واپس جانے پر آمادہ کرے۔ اُس کے ذریعے سفارت بھیجنے کا پسِ پردہ مقصد یہ بھی تھا کہ جب محمد ﷺ اس کی بات نہ مانیں گے تو وہ ان سے ناراض ہو کر پلٹے گا اور پھر احابیش کی پوری طاقت دل و جان سے قریش کے ساتھ ہو گی۔

جب وہ مسلمانوں کے پڑاؤ پر نمودار ہوا تو نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا : یہ حلیس بن علقمہ ہے اور ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہے جو ہدی کے جانوروں کا بہت احترام کرتی ہے۔ لہٰذا جانوروں کو کھڑا کر دو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُس کے آنے کی راہ میں جانوروں کو کھڑا کر کے لبیک پکارتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ اس شخص نے یہ کیفیت دیکھی تو کہنے لگا سبحان اللہ ! ان لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا ہر گز مناسب نہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے کوئی بات کیے بغیر مکہ کی طرف پلٹ گیا اور قریش سے کہا کہ میں نے ہدی کے جانور دیکھے ہیں جن کے گلوں میں قلادے ہیں۔ اور جن کی کوہان چیری ہوئی ہیں۔ اس لیے میں مناسب نہیں سمجھتا کہ انھیں بیت اللہ سے روکا جائے۔ اس پر قریش نے کہا کہ تم تو بس ایک صحرائی بدّو ہو، الغرض قریش اور اس شخص میں کچھ ایسی باتیں ہوئیں کہ وہ تاؤ میں آگیا، اُس نے قریش کے سرداروں سے بغیر کسی لاگ لپیٹ کے برملا یہ کہا کہ یہ لوگ بیت اللہ کی عظمت مان کر اس کی زیارت کے لیے آئے ہیں اگر تم ان کو روکو گے تو احابیش اس کام میں تمھارا ساتھ ہر گز نہ دیں گے اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تم محمد (ﷺ) کو وہ کرنے دو گے جس کے لیے وہ آئے ہیں یا میں احابیش کے ہر فرد کو لے کر یہاں سے نکل جاتا ہوں۔ ہم تمھارے حلیف اس لیے نہیں بنے ہیں کہ تم حُرمتوں کو پامال کرو اور ہم اس میں تمھاری حمایت کریں۔ قریش نے جانا کہ

کام خراب ہو رہا ہے، اُنھوں نے کہا کہ حلیس، اس بارے میں اُس وقت تک در گزر سے کام لو جب تک کہ ہم اُن کے ساتھ کچھ ایسی شرائط پر کوئی سمجھوتہ نہ کر لیں جو ہمارے لیے قابل قبول ہو سکتی ہوں۔

خزاعہ کے بعد احابیش کا محمد ﷺ کو بیت اللہ کی زیارت کا اِذن دینے کی سفارش کرنا قریش کو بہت ہی بھاری پڑ گیا۔ اُنھوں نے محسوس کر لیا کہ اگر اُنھوں نے حرام مہینے، حدودِ حرم کی آزادی اور بیت اللہ کی زیارت کے حقوق کو پامال کیا تو اُن کی اخلاقی حیثیت شدید مجروح ہو جائے گی اور وہ حرم کی پاسبانی کے لیے سارے عرب کی نظروں میں نااہل ہو جائیں گے۔ وہ بدحواسی میں اپنی اکڑ کو باقی رکھتے ہوئے ہر قیمت پر کسی آبرومندانہ حل کی تلاش میں تھے۔ اب یہ بات طے ہو گئی تھی کہ صلح کا معاہدہ ناگزیر ہے اور یہ بھی کہ مسلمانوں کو بیت اللہ میں داخل ہونے کی اجازت بھی دینا لازمی ہو گی۔ قریش اُس وقت کو کوسنے لگے جب اُنھوں نے یہ ناعاقبت اندیشانہ فیصلہ کیا کہ وہ مسلمانوں کو بیت اللہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، اگر اُنھیں کسی محدود وقت کے لیے کچھ پابندیوں کے ساتھ داخل ہونے دیا جاتا تو آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا اور اُن کی کچھ اخلاقی ساکھ بھی بن جاتی۔ اب اصل مسئلہ یہ تھا کہ کسی طور اُنھوں نے جس اکڑ اور طرّم خانی سے اِن کو منع کیا ہے اُس کا کچھ بھرم رہ جائے اور اس اجازت کے عوض وہ اپنے بھی کچھ مطالبات مسلمانوں سے منوا لیں، سب سے بڑھ کر مسلمانوں سے اپنے تجارتی راستوں کی ناکہ بندی ہی ختم کروانے کا عندیہ لے لیں۔

اس موقع پر عروہ بن مسعود ثقفی جو مختلف بادشاہوں کے درباروں میں قریش کی سفارت انجام دیتا رہا تھا بولا محمدؐ نے تمھارے سامنے ایک اچھی تجویز پیش کی ہے لہٰذا اسے قبول کر لو اور مجھے ان کے پاس جانے دو، میں کچھ بات بڑھاتا ہوں۔ لوگوں نے کہا: جاؤ! پھر قریش کی طرف سے عروہ بن مسعود ثقفی آیا اور اس نے اپنے نزدیک بڑی اونچ نیچ سمجھا کر رسول اللہ ﷺ کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ آپؐ مکہ میں داخل ہونے کے ارادے سے باز آجائیں، مگر آپؐ نے اس کو بھی وہی جواب دیا جو بنی خزاعہ کے سردار بدیل ابن ورقہ کو دیا تھا کہ ہم لڑائی کے ارادے سے نہیں آئے ہیں بلکہ بیت اللہ کی تعظیم کرنے والے بن کر ایک دینی فریضہ بجالانے کے لیے آئے ہیں۔ اس پر عروہ نے کہا: اے محمدؐ! یہ بتایئے کہ اگر آپؐ نے اپنی قوم کا قتلِ عام کر کے صفایا بھی کر دیا تو کیا آپؐ سے پہلے کسی عرب کے متعلق سنا ہے کہ اس نے اپنی قوم کا صفایا کیا ہو۔ اور اگر آپؐ پر قریش حاوی ہوئے تو اللہ کی قسم! میں ایسے چہرے اور ایسے اوباش لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جن سے اس کے سوا کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ آپؐ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ اس پر سیّدنا ابو بکرؓ آگ بگولہ ہو گئے اور اُسے بہت غصّے میں برا بھلا کہا کہ وہ ہمارے بارے میں یہ

گمان رکھتا ہے کہ ہم اپنے نبیؐ کو چھوڑ کر بھاگیں گے ؟ عروہ نے پوچھا: یہ کون ہے ؟ لوگوں نے کہا: ابو بکرؓ ہیں۔ اس نے ابو بکرؓ سے کہا کہ دیکھو اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ایسی بات نہ ہوتی کہ تم نے مجھ پر ایک احسان کیا تھا اور میں نے اس کا بدلہ نہیں دیا ہے، تو میں یقیناً تمھاری اس بات کا جواب دیتا۔

ابو بکرؓ کی سختی کو نظر انداز کر کے عروہ نے نبی ﷺ سے گفتگو جاری رکھی، وہ رسول اللہ ﷺ سے اس طرح بات کر رہا تھا گویا وہ اُن کا ہم مرتبہ ہو۔ عربوں کے رواج کے مطابق وہ جب گفتگو میں کوئی التجا کرتا تو آپؐ کی ڈاڑھی کو ہاتھ لگانے کی کوشش کرتا۔ مغیرہ بن شعبہؓ خود (آہنی ہلمٹ) پہنے اور ہاتھ میں تلوارِ برہنہ لیے نبی ﷺ کے پہلو میں کھڑے تھے عروہ جب بھی نبی ﷺ کی داڑھی کی جانب ہاتھ بڑھاتا تو وہ تلوار کا دستہ اس کے ہاتھ پر مارتے ہوئے احساس دلاتے کہ اپنا ہاتھ نبی ﷺ کی داڑھی تک نہ لے جاؤ (کہ توحید کے علَم برداروں کے نزدیک مشرک ناپاک ہوتے ہیں [اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ] اُن کو یہ زیبا نہیں کہ وہ اللہ کے رسولؐ کی داڑھی کو چھو سکیں)۔ آخر عروہ نے اپنا سر اٹھایا، اور بولا: یہ کون ہے ؟ لوگوں نے کہا کہ تیرا بھتیجا، مغیرہ بن شعبہؓ ہے! اس پر اس نے کہا: ... او... بدعہد...! کیا میں تیری بدعہدی کے سلسلے میں دوڑ دھوپ نہیں کر رہا ہوں ؟ زمانہ جاہلیت میں مغیرہ کچھ لوگوں کے ساتھ تھے۔ پھر انھیں قتل کر کے ان کا مال لے بھاگے تھے، اور بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ دیت اور مال کی واپسی کے لیے ورثاء کے ساتھ اُن کے چچا عروہ دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔ عروہ محمد ﷺ کو اپنی ساری زبان دانی اور قوتِ لسانی کے باوجود کسی دلیل سے بغیر عمرہ کیے واپس جانے پر آمادہ نہ کر سکا تو گفتگو ختم ہو گئی۔ اُس نے کچھ دیر مسلمانوں کے کیمپ میں رکنے کی اجازت چاہی جو اُسے مل گئی۔ اُس نے اپنی پوری قوت مشاہدہ سے کام لیا اور مسلمانوں کی نشست و برخاست اور نظم و ضبط کو دیکھا۔ وہ اُن کی ایک ایک ادا کا تجزیہ کر رہا تھا، وہ قریش کو اُن کے مد مقابل فریق کے بارے میں صحیح مشورہ دینا چاہتا تھا۔

واپس جا کر عروہ نے قریش کے سرداروں سے کہا کہ میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں، مگر اللہ کی قسم، میں نے اصحابِ محمدؐ کو جس طرح محمدؐ کا جاں نثار اور عقیدت مند دیکھا ہے ویسی جاں نثاری اور محبت و عقیدت کا منظر کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کے لیے اُس کے لوگوں میں نہیں دیکھا۔ واللہ میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اُس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد ﷺ کے ساتھی اُس کی تعظیم کرتے ہیں۔ جب وہ کوئی حکم دیتے تھے تو اس کی تعمیل کے لیے سب دوڑ پڑتے تھے۔ اور جب وضو کرتے تھے تو

معلوم ہوتا تھا کہ اس کے وضو کے پانی کے لیے لوگ لڑپڑیں گے۔ اور جب وہ کوئی بات بولتے تھے تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے تھے۔ اور فرطِ تعظیم کے سبب انھیں بھرپور نظر نہ دیکھتے تھے۔ لوگو، انھوں نے تم کو ایک اچھی تجویز دی ہے، بہتر ہے اسے قبول کر لو اور سوچ لو کہ تمھارا مقابلہ کس سے ہے۔

اس دوران جب کہ ایلچیوں کی آمد و رفت اور گفت و شنید کا یہ سلسلہ جاری تھا اور قریش کے پُرجوش اور جنگ باز نوجوانوں نے محسوس کر لیا کہ ان کے بڑے صلح کی جانب مائل ہیں تو انھوں نے صلح کی کوششوں میں رکاوٹ کا پروگرام بنایا۔ ان لوگوں کا ہدف یہ تھا کہ کسی طور چپکے سے رسول اللہ ﷺ کے کیمپ پر چھاپے مار کر مسلمانوں کو مشتعل کر دیں اور وہ کوئی ایسا جوابی اقدام کر بیٹھیں جس کی آڑ میں جنگ کا بہانہ ہاتھ آ جائے۔ مگر ہر مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی حکمت و فراست اور صحابہؓ کی بے چون وچرا اطاعتِ امیر نے ان کی ساری تدبیروں کو ناکام بنا دیا۔

ایک دفعہ اِن کے چالیس پچاس آدمی رات کے وقت آئے اور مسلمانوں کے پڑاؤ پر پتھر اور تیر برسانے لگے۔ صحابہ کرامؓ نے ان سب کو گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کر دیا۔ مگر آپؐ نے ان سب کو چھوڑ دیا۔ ایک اور موقع پر رات کی تاریکی میں نماز فجر سے کچھ قبل ستر یا اسّی نوجوانوں نے جبل تنعیم سے اتر کر مسلمانوں کے کیمپ میں چپکے سے گھسنے کی کوشش کی لیکن حفاظت پر مامور صحابہ کے کمانڈر محمد بن مسلمہؓ نے ان سب کو گرفتار کر لیا پھر نبی ﷺ نے صلح کی فضا کو ضائع ہونے سے بچانے کی خاطر ان سب کو معاف کرتے ہوئے آزاد کر دیا نتیجتاً اہلِ مکہ میں نبی ﷺ کے لیے ہمدردی کے جذبات فروغ پانے لگے، قریش کے صلح جو لوگوں کے استدلال کو قوت ملتی رہی اور قریش کے جنگ بازوں کی اپنی ہر چال اور ہر تدبیر اُن پر اُلٹی ہوتی چلی گئی۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اِن حملوں سے کیمپ میں کوئی ذرا سی بھی گڑبڑ اور بھگدڑ کا نہ ہونا اور بلا کسی استثنا کے تمام حملہ آوروں کا دونوں مرتبہ پر کٹے کبوتروں کی مانند گرفتار ہو جانا اور کسی ایک کا بھی فرار ہونے میں کامیاب نہ ہونا ہر اُس فرد بشر کے لیے قطعی ناقابلِ یقین ہے (کل بھی تھا اور آج بھی ہے) جس کا اللہ پر ایمان نہ ہو اور اِس حقیقت کا ادراک نہ ہو کہ ایک ذات ہے، جو مقلب القلوب ہے اور مسبب الاسباب بھی ہے، جو میدانِ بدر سے حدیبیہ کے میدان تک ہر جگہ اپنے دین کے علم برداروں کی غیب سے ناقابلِ یقین مدد و نصرت کے لیے موجود تھی! اللہ کے رسولؐ کے ہمراہ مسلمانوں کو یہ یقین اور ادراک حاصل تھا اور فزوں تر سے فزوں تر ہو رہا تھا اور حملہ آوروں میں سرائیت کر رہا تھا (مستقبل قریب میں اسلام قبول کرنے کے لیے)۔ آنے والے دنوں میں اللہ نے تصدیق کی کہ یہ اُس کا کام تھا کہ اُن کے ہاتھ تم پر اور تمھارے ہاتھ اُن پر نہ اُٹھ سکے، بندوں کی

تدبیروں اور کوششوں پر العزیز والحکیم، اللہ کی مرضی اور اُس کا فیصلہ غالب ہوتا رہا (قرآن کریم: الفتح: ۲۴)۔

جس وقت عروہ کیمپ میں موجود تھا اور مسلمانوں کی معاشرت کا مطالعہ کر رہا تھا، رسول اللہ ﷺ نے سوچا کہ قریش کی جانب سے کافی ایلچی آچکے ہیں مسلمانوں کی جانب سے ایک سفیر بھیجا جائے۔ اس مقصد کے لیے آپؐ نے بنو کعب کے خراشؓ نامی ایک صحابی کو اپنا ایلچی بنا کر قریش کے پاس بھیجا، قریش کے سب سے بڑے جنگ باز کے بیٹے اور اِس موجودہ وقت میں صلح کے سب سے بڑے مخالف عکرمہ بن ابی جہل نے اپنی دانست میں ایک ایسی حرکت کی کہ جس کے بعد اُس کے خیال میں صلح کے تمام امکانات ختم ہو جانے تھے، اُس نے نبی ﷺ کے سفیر، خراشؓ کے اونٹ کی کوچیں کاٹ دیں، سفیر کو اذیت دینا اُس وقت بھی ساری دنیا کے تسلیم شدہ قواعد و ضوابط کے خلاف تھی۔ حلیس اور اُس کے ساتھیوں نے بیچ بچاؤ کرا کے خراشؓ کو واپس مسلمانوں کے کیمپ میں بھیج دیا۔ خراشؓ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ کر کہا کہ یا رسول اللہؐ کسی ایسے شخص کو بھیجیے جس کو مکے میں میرے مقابلے میں تحفظ حاصل ہو۔

نبی اکرم ﷺ کسی ایسے فرد کی جستجو کرنے لگے جو جرأت کے ساتھ قریش کے سامنے مسلمانوں کے موقف کی اور اِس سفر زیارت کے مقصد کی اور نبی ﷺ کی جانب سے بدیل ابن ورقہ کے ذریعے بھیجی گئی صلح کی تجویز کی بلا کم و کاست وضاحت کر سکے۔ اس کام کے لیے آپ ﷺ نے اپنی پوری ٹیم میں عمر بن خطابؓ سے بہتر کسی کو نہ پایا اور اُنھیں بلایا لیکن عمرؓ نے اپنے بجائے عثمان بن عفانؓ کو بھیجنے کے لیے استدلال پیش کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! اگر مجھے اذیت دی گئی (نہ سُنا گیا، کم تر جانا گیا اور ستایا گیا) تو مکہ میں میرے قبیلے بنی کعب کا ایک فرد بھی ایسا بااثر نہیں ہے جو میری حمایت میں بگڑ سکتا ہو (اور لوگ اُسے منانے کی کوشش کریں)، جب کہ عثمان بن عفانؓ کا قبیلہ مکہ ہی میں ہے، یہ لوگ زیادہ دولت مند اور اثر و رسوخ اور طاقت و قوت والے ہیں۔ آپؐ اُنھیں بھیج دیں وہ آپؐ کا پیغام پہنچانے کے لیے مجھ سے موزوں تر ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے عثمان کو قریش کے پاس روانگی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: انھیں بتلادو کہ ہم جنگ کے لیے نہیں عمرہ ادا کرنے آئے ہیں۔ انھیں اسلام کی دعوت بھی دو۔ آپ ﷺ نے عثمان کو یہ حکم بھی دیا کہ وہ مکہ میں بسنے والے اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے پاس جا کر انھیں مستقبل قریب میں اسلام کے مکہ میں غالب آجانے کی خوش خبری بھی دے دیں اور اُنھیں بتا دیں کہ جلد ہی یہاں کسی کو اپنا ایمان چھپانے کی ضرورت نہ رہے گی۔

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا مکے میں اُن کے قبیلے نے پر جوش خیر مقدم کیا۔ سعید بن عاص نے اُٹھ کر عثمان رضی اللہ عنہ کو خوش آمدید کہا اور اپنے گھوڑے پر زین کس کر آپؓ کو سوار کیا۔ اور ساتھ بٹھا کر اپنی پناہ میں مکہ لے گیا، وہاں جا کر عثمان رضی اللہ عنہ نے سربراہانِ قریش کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام سنایا اُن کی جانب سے عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ پیش کش کی گئی کہ اگر پسند کریں تو کعبے کا طواف کر لیں، اُنھوں نے اِس پیش کش کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ جب تک رسول اللہؐ طواف نہیں کریں گے وہ طواف کیسے کر سکتے ہیں۔ اُنھوں نے سرداران قریش کو یہ پیغام دیا کہ ہم جنگ کے لیے نہیں بلکہ زیارت کے لیے ہدی ساتھ لے کر آئے ہیں، طواف اور قربانی کر کے واپس چلے جائیں گے۔ مگر وہ لوگ نہ مانے اور سیّدنا عثمانؓ کو مکہ ہی میں روک لیا۔ وہ کسی بھی فیصلے پر نہیں پہنچ پا رہے تھے، اس لیے وہ چاہتے تھے کہ پیش آمدہ صورتِ حال پر باہم مشورہ کر کے کوئی عمدہ متفق علیہ فیصلہ کر لیں اور عثمانؓ کو ان کے لائے ہوئے پیغام کا جواب دے کر ہی واپس بھیجیں، مگر اُنؓ کے دیر تک واپس نہ پہنچنے کی وجہ سے یہ خبر مشہور ہو گئی یا دانستہ صلح کے مخالفین کی جانب سے اُڑائی گئی کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے ہیں، اور ان کے دیر تک واپس نہ آنے سے مسلمانوں کو خبر کے سچ ہونے کا یقین ہو چلا۔ رسول اللہؐ کو بھی غیب کی وہی باتیں معلوم ہوتی تھیں جو عالم الغیب یکتا، وحدہ لاشریک اللہ اُن پر کھول دیتا ہے، آپ ﷺ بھی واقعہ کی حقیقت سے بالکل بے خبر اور انجانے میں یہ یقین کر رہے تھے کہ عثمانؓ قتل ہو چکے ہیں، اگرچہ عثمانؓ اپنی نمازوں میں درود پڑھ رہے ہوں گے لیکن آپؐ کو کیا خبر! عثمانؓ کی خیریت جاننے کے معاملے میں آپ ﷺ دیگر صحابہؓ کی مانند بے خبر تھے۔

اب مزید صبر و تحمل کا کوئی موقع نہ تھا۔ بیت اللہ کے طواف اور عمرے کی بات تو ایک الگ اِیشو تھا جس کے لیے غیر مسلح مسلمانوں کے پیشِ نظر طاقت کا استعمال ہر گز نہ تھا۔ مگر اب تو بات سفیر کے قتل کا جواب دینے کی تھی، مسلمانوں کے پاس اس کے سوا اب کوئی دوسری راہ (Option) نہ تھی کہ وہ قریش کا دماغ، اس حرمت والے مہینے کا خیال کیے بغیر عین حرم کے اندر ضرورت ہو تو خوں ریزی سے درست کرنے میں دریغ نہ کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ افواہ ساز اپنے مقصد میں کامیاب نظر آ رہے تھے۔

جس وقت عثمانؓ مکہ میں تھے، رسول اللہؐ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی جو نزولِ وحی کے وقت آپؐ پر ہوتی تھی۔ لیکن اِس وقت اتنا فرق تھا کہ آپؐ کو اپنے اوپر پورا قابو تھا۔ آپؐ نے اپنے خیمے میں ایک صحابی کو طلب کیا اور اُس کو حکم دیا کہ وہ کچھ اعلان کرے۔ صحابی نے خیمہ گاہوں میں جا کر اعلان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روح الامین حاضر ہوئے ہیں اور اُنھوں نے سب سے بیعت لینے کا حکم دیا ہے پس اللہ کا نام لے کر

آگے بڑھو اور رسول اللہؐ کے ہاتھ پر بیعت کرو! اِس اعلان کے دوران رسول اللہ ﷺ قریب میں ببول کے ایک گھنے درخت کے نیچے تشریف لے گئے، یہ ہرا بھرا درخت تھا اور بہار کی کونپلوں سے لدا ہوا تھا جو پتوں میں تبدیل ہو رہی تھیں۔ ایک کے بعد ایک صحابی حاضر ہوتے گئے اور بیعت کرتے گئے۔ عمر بن الخطابؓ آپ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے کہ کم و بیش ڈیڑھ ہزار لوگوں سے بیعت لینے سے وہ تھک نہ جائیں اور معقل بن یسارؓ نے درخت کی کچھ شاخیں پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے اوپر سے ہٹا رکھی تھیں۔ یہی وہ بیعت ہے جس کا نام بیعتِ رضوان ہے۔ سب سے پہلے جو صحابی آئے وہ قبیلہ جحش کے خاندان اسد بن خزیمہ کے سنانؓ تھے۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ کس بات پر بیعت ہے، چناں چہ آپ (سنانؓ) نے کہا کہ میں اُس بات پر بیعت کر رہا ہوں جو آپؐ کے دل میں ہے۔ دوسروں نے بھی یہی بیعت کی جس کا دلوں میں خلاصہ یہ تھا کہ رسولؐ کی اطاعت میں موت قبول ہے وہؐ جہاں لے جائے اور جس سے بھڑا دے، اب ہم یہاں مرنا پسند کریں گے پیچھے نہ ہٹیں گے، ہم میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ نہیں سکتے۔ الغرض سب نے اپنی موت پر بیعت کی سوائے ایک منافق کے جو اونٹوں کے پیچھے چھپ گیا مگر نظروں میں آگیا، اس کا نام جد بن قیس تھا۔ آپؐ نے عثمانؓ کی جانب سے بیعت کی کہ اگر وہ زندہ ہیں تو یہ بیعت اُن کی جانب سے قرار پائے، اس طرح کہ آپؐ نے اپنے بائیں ہاتھ کو عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا اور اپنے دائیں ہاتھ پر رکھ کر عثمانؓ کی بیعت قبول کی۔

یہ کوئی معمولی بیعت نہ تھی۔ مسلمان صرف ۱۴۰۰ تھے اور جنگ کی کسی تیاری اور ضروری اسلحہ کے بغیر آئے تھے، وہ اپنے شہر سے (آج سے ڈیڑھ ہزار برس قبل کے زمانے میں) ڈھائی سو میل دور، عین دشمن کی سرحد پر ٹھہرے ہوئے تھے، جہاں دشمن اپنی پوری طاقت کے ساتھ ان کو اِسی جگہ یا پھر مکہ میں گھیر کر مکمل طور پر کچل سکتا تھا اور گرد و پیش سے اپنے حلیف قبیلوں کو لا کر بھی انھیں گھیر سکتا تھا۔ اِن سب خطرات اور موانع کے باوجود صحابہ کی پوری ٹیم نبی ﷺ کے ہاتھ پر مرنے مارنے کی بیعت کرنے کے لیے ایک لمحے میں بغیر کسی پس و پیش کے آمادہ ہو گئی۔ صحابہ کرام کا یہ طرزِ عمل اللہ اور اُس کے رسولؐ پر اُن کے اخلاص و ایمان کی صداقت کی تاقیامت ایک دلیل بن گیا، جس کی گواہی چند روز بعد اللہ تعالیٰ کی جانب سے مل گئی جب روح الامینؑ نبی ﷺ کو سُوْرَۃُ الْفَتْح سُنا رہے تھے۔

جنگ کے لیے اور قتلِ عثمانؓ کا انتقام لینے کے لیے مرمٹ جانے کی بیعت کی خبر مکہ میں قریش پر بجلی بن کر گری، قریش نے صورتِ حال کی نزاکت محسوس کر لی اور اُنھوں نے عثمانؓ کو عجلت میں صلح کا مبہم عندیہ دے

کر واپس بھیج دیا، اندیشہ تھا کہ کہیں موت پر بیعت کیے ہوئے مسلمان قریش پر نہ ٹوٹ پڑیں اور شہر مکہ جس کے سرداروں کی صفِ اوّل بدر کے میدان میں جن لوگوں کے ہاتھوں ماری گئی تھی، اب دوسری صف کہیں اُنھی کے ہاتھوں اُن کے اپنے ہی شہر میں نہ کاٹ دی جائے۔

عثمانؓ واپس حدیبیہ میں واقع اپنے کیمپ میں آ گئے اور مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ اُن کے قتل کی خبر غلط تھی اور قریش دباؤ میں ہیں اور ہر قیمت پر امن وامان کے طالب ہیں۔ جلد ہی قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو کی قیادت میں ایک وفد بھی رسول اللہ ﷺ کے کیمپ میں گفت وشنید کے لیے پہنچ گیا۔ اِس وفد میں سہیل کے علاوہ دو اور افراد مکرز اور حویطب بھی شامل تھے۔ یہ وفد قریش کی جانب سے اس تاکید کے ساتھ آیا تھا کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) سے درخواست کی جائے کہ صلح میں لازماً یہ بات شامل ہو کہ آپؐ اس سال واپس چلے جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ عرب، قریش کو یہ طعنہ دیں کہ آپؐ ہمارے شہر میں ہماری مرضی کے خلاف اپنی طاقت و قوت کے بل بوتے پر داخل ہوئے ہیں۔ سہیل بن عمرو کو آتا دیکھ کر آپؐ نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا کہ "سہیل" کے ذریعے تمھارا کام تمھارے لیے سہل کر دیا گیا ہے۔ اس آدمی کو بھیجنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ قریش صلح چاہتے ہیں۔ سُہیل نے آپ ﷺ کے پاس پہنچ کر طویل گفتگو کی۔ اور بالآخر کافی ردوکد کے بعد کچھ شرائط پر نبی ﷺ اور سہیل بن عمرو کے درمیان اتفاقِ رائے ہو گیا اور پھر صلح نامہ لکھا گیا، شرائط یہ تھیں:

۱. دس سال تک فریقین جنگ بند رکھیں گے۔ اس عرصے میں لوگ (حریفانہ کشمکش سے) امن میں رہیں گے۔ کوئی کسی پر ہاتھ نہیں اُٹھائے گا اور ایک دوسرے کے خلاف خفیہ اور علانیہ کوئی کاروائی نہ کی جائے گی۔

۲. اس دوران قریش کا جو آدمی (اسلام قبول کر کے) اپنے سرپرست کی مرضی کے بغیر یعنی بھاگ کر محمد ﷺ کے پاس جائے گا محمد ﷺ اُسے واپس کر دیں گے، لیکن محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے جو شخص پناہ کی غرض سے بھاگ کر قریش کے پاس آئے گا قریش اُسے واپس نہ کریں گے۔

۳. عرب کے قبائل میں سے کوئی بھی قبیلہ جو اس عہد وپیمان میں شریک ہونا چاہے شریک ہو سکے گا۔ جو محمد ﷺ کے ساتھ وہ اُن کے ساتھ اور جو قریش کے ساتھ وہ قریش کے ساتھ شریک ہو گا۔ جو قبیلہ جس فریق میں شامل ہو گا اس فریق کا ایک جزو سمجھا جائے گا۔ لہٰذا کسی شریک قبیلے پر زیادتی ہوئی تو وہ زیادتی پورے فریق کی جانب سے دوسرے فریق پر زیادتی شمار کی جائے گی۔

۴. موجودہ صورتِ حال میں محمد ﷺ مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس چلے جائیں (اور اس نامکمل عمرے کی قضا

میں) اگلے برس تین روزہ قیام کے لیے مسلمان عمرے کے لیے مکہ آ سکتے ہیں۔ ان کے ساتھ سوار کا ہتھیار (پر تلوں میں صرف ایک ایک تلوار) ہو گا اس کے علاوہ اور کوئی سامان حرب ساتھ نہ لائیں عمرے کی ادائیگی میں اُن کو کوئی رکاوٹ نہیں ہو گی۔۔ ان تین دنوں میں اہل مکہ ان کے لیے شہر خالی کر دیں گے (تاکہ کسی تصادم کی نوبت نہ آئے)۔ مگر واپس جاتے ہوئے وہ یہاں کے کسی شخص کو اپنے ساتھ لے جانے کے مجاز نہ ہوں گے۔

۵. محمد (ﷺ) کے لوگوں میں سے جو حج، عمرے یا تجارت کے لیے مکہ آئے تو اُس کی جان و مال کو امان ہو گا اور قریش کا جو شخص تجارت کے لیے مصر، شام جاتے ہوئے مدینے سے گزرے تو اُسے جان و مال کا امان حاصل ہو گا۔

٦ قربانی کے جانور (جو محمد (ﷺ) ساتھ لائے ہیں) وہیں رہیں گے جہاں ہم نے اِن کو پایا ہے (یعنی حدیبیہ میں) اور یہیں اِن کو ذبح کر دیا جائے گا اور اِن کو ہمارے پاس (مکہ میں قربانی کے لیے) نہیں لایا جائے گا اور صراحت ہے کہ ہمارے اور تمھارے حقوق برابر کے ہوں گے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے علیؓ کو بلایا کہ معاہدہ کو تحریر کر دیں۔ اور یوں املا کرانا شروع کیا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس پر سہیل نے کہا: ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا ہے؟ آپؐ یوں لکھیے : بِاسْمِكَ اللهمَّ (اے اللہ تیرے نام سے) نبی ﷺ نے علی کو حکم دیا کہ یہی لکھ دو۔ اس کے بعد آپؐ نے یہ املا کرایا۔ یہ وہ بات ہے جس پر رسول اللہؐ، محمدؐ نے مصالحت کی۔ اس پر سہیل نے کہا: اگر ہم جانتے کہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں تو پھر نہ تو ہم آپؐ کو بیت اللہ سے روکتے، اور نہ جنگ کرتے، چناں چہ آپؐ کو چاہیے کہ محمدؐ بن عبد اللہ لکھوائیں۔ آپؐ نے فرمایا: اگرچہ تم لوگ جھٹلاؤ، میں در حقیقت اللہ کا رسولؐ ہوں۔ پھر علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ محمدؐ بن عبد اللہ ہی لکھ دیں۔ اور لفظ "رسول اللہ" کو حذف کر دیں، علی نے گوارا نہ کیا کہ "رسولؐ اللہ" کے الفاظ کو مٹائیں۔ لہٰذا نبی ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے انھیں مٹا دیا۔ اس کے بعد پوری دستاویز لکھی گئی۔

صلح مکمل ہو چکی تو بنو خُزاعہ دفعہ#۳ کے تحت ریاستِ مدینہ کے ساتھ عہد و پیمان میں داخل ہو گئے۔ عبد المطلب کے زمانے سے ہی بنو خزاعہ، بنو ہاشم کے حلیف تھے جیسا کہ آغازِ کتاب میں گزر چکا ہے۔ اب ایک طرح سے بنو ہاشم کی اکثریت کا تعلق مدینے سے ہو گیا تھا یوں خزاعہ کا اس عہد و پیمان میں داخلہ در حقیقت اُسی قدیم معاہدے کی اس صلح حدیبیہ کے تحت تجدیدِ نو تھی۔ دوسری طرف بنو بکر قریش کے عہد و پیمان میں داخل

ہو گئے جیسا کہ بنو بکر پہلے بنو نوفل کے ساتھ تھے۔

جس وقت اس معاہدے کی شرائط طے ہو رہی تھیں، مذاکرات کی تفصیلات لحہ بہ لحہ عام مسلمانوں تک پہنچ رہی تھیں، کوئی خفیہ مذاکرات نہیں تھے۔ پہلی اور تیسری شرائط خوب تھیں اور ہر ایک کو منظور تھیں لیکن دوسری اور چوتھی شرائط یہ عندیہ دے رہی تھیں کہ مسلمان قریش سے دب کر صلح کر رہے ہیں جب کہ حقیقت یہ تھی کہ قریش کو ناچار، ناک رگڑ کر صلح کا ہاتھ بڑھانا پڑا تھا۔

عام مسلمانوں کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ دوسری شرط، قریش اور مسلمانوں کے درمیان برابری کا اظہار کیوں نہیں کر رہی ہے؟ کفارِ مکہ کے درمیان سے کوئی مسلمان ہو کر پناہ لینے مدینہ آ جائے تو مدینہ والے تو قریش کے باغیوں کو واپس اُن کے حوالے کر دیں اور مسلمانوں کے مرتد بھگوڑوں، منافقوں یا باغیوں کو قریش پناہ دینے میں آزاد ہوں، یہ برابری کا طرزِ عمل تو نہ ہوا! اِس طرزِ عمل سے تو اہلِ مکہ میں اسلام کو قبول کرنے میں تامل ہو گا اور اسلام قبول کرنا مشکل ہو گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ مسلمان ہو کر ہمارے پاس جو آئے اور ہم اُسے واپس دشمنوں کے حوالے کر دیں تو وہ اسلام ہی سے دور اور بیزار ہو سکتا ہے، مدینے کے منافقین اور مرتدین کے تو مزے آ گئے باالفاظِ دیگر یہ شرط مدینے میں ناراض لوگوں کو مکہ بھاگ جانے کا راستہ مہیا کر رہی تھی۔ پورا لشکر سخت مضطرب تھا!

چوتھی شرط تو بظاہر ہی انتہائی زیادتی پر مبنی تھی، اللہ کا رسولؐ خواب میں اللہ کا حکم پا کر عمرے کے لیے ہم کو یہاں لایا ہے، ہمیں کہا گیا تھا کہ خواب میں دیکھا ہے کہ طواف ہو رہا ہے، کعبے کے اندر جا رہے ہیں اور سر منڈھوا رہے ہیں، یا اللہ ہم عمرہ کرنے آئے ہیں! اس برس کیوں واپس جائیں اور اگلے برس بھی اُن کا کیا احسان ہو گا؟ ہم جب چاہیں گے آئیں گے، صرف تین دن کے لیے کیوں، حرم کسی کے باپ کی جاگیر ہے کہ اُس کے لیے پاسپورٹ اور محدود مدت کے ویزے درکار ہوں اور وہ بھی اُن ناب کاروں سے جو مشرک اور اسلام کے باغی ہوں؟ شہرِ مکہ تو ابراہیم علیہ السلام کے ماننے والے ساری دنیا کے موحدوں کا شہر ہے، اس میں داخلے کے لیے مسلمانوں کو کسی کی اجازت کیوں درکار ہو؟ زبانِ قال گنگ تھی، زبانِ حال کو گویائی عطا ہو گئی تھی صحابہ کی عظیم جماعت محمدِ عربی ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں اپنی ایک ایک ادا سے کہہ رہی تھی:

یارسول اللہؐ، ایسا کیوں؟

یارسول اللہؐ، ایسا کیوں؟

اب جب کہ ہم کو اپنی زندگیوں سے کوئی پیار نہیں، موت کے لیے ہم بیعت کر چکے ہیں تو ہم اپنی جانوں کو بچا کر اِن جسموں میں کیوں واپس اپنے گھروں میں لے جائیں، یا طواف کریں یا خلد آشیاں ہو جائیں!

اُس وقت کوئی بھی شخص اُن مقاصد اور پس پردہ فوائد کو نہیں سمجھ سکتا تھا جنہیں پیشِ نظر رکھ کر نبی ﷺ یہ شرائط قبول فرما رہے تھے۔ سیاسی معاملات پر کسی کی نظر اتنی گہری نہ تھی کہ اس صلح کے نتیجے میں سارے حجاز میں مسلمانوں کو جو برتری حاصل ہونے والی تھی اس کا کوئی اندازہ کر سکتا۔ کفار قریش اسے اپنی کامیابی سمجھ رہے تھے اور مسلمان اس پر رنجیدہ تھے کہ ہم آخر دب کر یہ معاہدہ کیوں کر رہے ہیں۔

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے صاحبِ نظر تک اس صلح کو نہ سمجھ سکے۔ بعد میں انھوں نے کہا کہ "مسلمان ہونے کے بعد کبھی میرے دل میں شک نے راہ نہ پائی تھی، مگر اُس موقع پر میں بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا"۔ وہ بے چین ہو کر سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا "کیا رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسولؐ نہیں ہیں؟ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کیا یہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ پھر آخر ہم اپنے دین کے معاملے میں یہ ذلت کیوں اختیار کریں؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایمان و اخلاص و صداقت سے بھرپور ایسا جواب دیا جو اُن حالات میں وہی دے سکتے تھے، ایسا تاریخی جواب انھی کا حق تھا، فرمایا "اے عمرؓ! وہ اللہ کے رسولؐ ہیں اور اللہ ان کو ہرگز ضائع نہ کرے گا اور یہ بھی کہا کہ آپ ﷺ کی رکاب تھامے رہو یہاں تک کہ موت آجائے کیوں کہ اللہ کی قسم آپؐ حق پر ہیں"۔

دوسری شرط جس کے بارے میں لوگوں کا کہنا تھا کہ یہ تو واضح غیر منصفانہ شرط ہے۔ اگر مکہ سے بھاگ کر آنے والوں کو ہم واپس کریں تو مدینہ سے بھاگ کر جانے والے کو وہ کیوں نہ واپس کریں؟

اس دفعہ کو بااصرار قریش نے معاہدے میں شامل کروا کے نادانی سے اپنا بھرم دکھانے اور پندارِ نفس کی نمائش کا اہتمام تو کر لیا مگر یہ بھول گئے کہ تمھارا جو آدمی مسلمان ہو کر اب تمھارا باغی ہے، طاغوت کا انکاری ہے، تمھارے دین سے اور تمھارے تمدن اور طرزِ زندگی سے بے زار ہے تم اُس کو کب تک کوٹھری نما جیلوں پابند سلاسل رکھ سکو گے؟ فی الاصل یہ قریش کی اپنے مشرکانہ دین کی گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالا دینے کے ناکام منصوبوں کا نفسیاتی اظہار اور اُن پر طاری اعصابی کشمکش اور شکستگی کا بیّن ثبوت تھا۔ اُنھیں وحی الٰہی کی رہنمائی کے بغیر اپنی مفادات کے تابع عقل سے بنائے ہوئے قوانین، نظام زندگی اور رسم و رواج کے بارے میں سخت خوف لاحق تھا اور وہ جان گئے تھے کہ اِن کے تہذیب و تمدن، معیشت و سیاست کی بوسیدہ دیوار اِسلام کے ہاتھوں

آخری دھکّا کھا کر گرنے ہی والی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ کی رہنمائی میں بنائے ہوئے اور اُٹھائے ہوئے معاشرے کی پختگی پر یقین کامل تھا اور اس قسم کی شرط آپؐ کے لیے قطعاً کسی اندیشے کا سبب نہ تھی چناں چہ اس شرط پر اعتراض یا گھبراہٹ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : 'إنه من ذهب منا إليهم فأبعده الله 'جو ہمیں چھوڑ کر ان مشرکین کی طرف بھاگا اسے اللہ نے دور (یا برباد) کر دیا۔ یعنی یہ کہ جو ہمارے ہاں سے بھاگ کر ان کے پاس چلا جائے وہ آخر ہمارے کس کام کا ہے؟ اللہ اسے ہم سے دور ہی رکھے۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ومن جاء نا منهم سيجعل الله له فرجاً ومخرجاً ۔ ان کا جو آدمی ہمارے پاس آئے گا۔ اللہ اس کے لیے کشادگی اور نکلنے کی جگہ بنادے گا۔ یعنی یہ کہ جو ان کے ہاں سے بھاگ کر ہمارے پاس آجائے اسے اگر ہم قبول نہیں کریں گے اور واپس کر دیں گے تو اللہ اس کے لیے خلاصی کی کوئی اور صورت پیدا فرمادے گا۔ اللہ کے نبیؐ کی یہ تصریح حرف بحرف پوری ہوئی اگلے برس اسلام قبول کر کے مکہ سے نکلنے والے ستّر مسلمانوں کو جنھیں مدینہ نے معاہدے کے مطابق اپنے شہر میں آنے نہیں دیا، وہ مسلمانوں کی مجبوری کو جان گئے، اُن کے ایمان میں اور رسول اللہ ﷺ کی محبت میں اضافہ ہی ہوا۔ وہ کچھ دور حدودِ مدینہ سے باہر ساحل پر جمع ہو گئے اور مکہ کے تجارتی قافلوں سے تعرض کر کے اُن کا مال ضبط کرنا شروع کر کے تجارت کے لیے اُن کا ناطقہ بند کر دیا تو صورتِ حال سے نجات کے لیے مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے خوشامد کر کے اس شرط کو ساقط کروایا۔

رہی چوتھی شرط جس کے متعلق مسلمان یہ سمجھ رہے تھے کہ اسے ماننے کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں جو کچھ دیکھا تھا وہ تو پورا نہ ہوا اور مسلمان سارے عرب قبائل کے سامنے جن کی نگاہیں اس مہم کے انجام پر لگی ہوئی ہیں یہ ثابت کریں گے کہ وہ اپنے مقصدِ سفر میں ناکام واپس ہو گئے۔ مگر فوری طور پر نظر میں نہ آنے والی اصل حقیقت یہ تھی کہ مسجد حرام میں داخلے پر جو پابندی رسول اللہ ﷺ کو پناہ دینے اور اسلام قبول کرنے کے جرم میں گزشتہ سات برس سے قریش نے اہلِ مدینہ پر عائد کر رکھی تھی یہ چوتھی شرط اُس پابندی کے خاتمے کا اعلان تھی۔ ہاں اتنی بات ضرور تھی کہ قریش ایک بڑا نقصان اُٹھا کے وقتی طور پر اپنی ناک اونچی رکھنے میں کامیاب نظر آرہے تھے اور اِس برس مسلمانوں کو حرم میں داخل ہونے سے روکنے میں کامیاب رہے۔ یہ وقتی اور بے حیثیت فائدہ اِن متکبّروں کی اونچی ناک (سونڈ) پر ایک مہرِ رسوائی تھی جس کا وعدہ کم و بیش اکیس برس قبل مسلمانوں کے رب نے سُوْرَۃُ الْقَلَم میں کیا تھا۔ یہ مہر پر

مہریں مکے میں لگتی رہیں پھر بدر میں لگیں، یہ آخری مہر تھی، جو مخالفت و عنادِ قریش پر لگائی جارہی تھی۔

اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ⑮ سَنَسِمُهٗ عَلَی الْخُرْطُوْمِ ⑯ القلم	جب ہماری آیات اُس کو سُنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو پرانے زمانوں کے قصّے اور افسانے ہیں۔ لوگ دیکھ لیں گے کہ ہم جلد اس کی سونڈ پر داغ لگائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس پر لوگوں کو سمجھایا کہ "خواب میں آخر اِسی سال طواف کرنے کی صراحت تو نہ تھی"۔ مسلمانوں کے لیے اگلے برس ہی سہی مگر مسلمانوں کے لیے بیت اللہ کی زیارت کا حق تسلیم کرلیا گویا یہ مان لیا کہ اسلام کوئی بے دینی نہیں ہے جیسا کہ وہ اب تک کہتے چلے آرہے تھے، بلکہ عرب کے مسلمہ ادیان میں سے ایک دین ہے حدیبیہ جانے والا زائرین کا قافلہ سنہ ۶ ہجری میں ذوالقعدہ کی کسی اوّلین تاریخ کو مدینے سے روانہ ہوا اور مہینے کی کسی بالکل آخری تاریخ کو اللہ کی رضوان کا پروانہ اور فتح مبیں کی بشارت لے کر مدینے واپس آگیا۔ شرائطِ صلح کے مطابق اس سال نہیں تو اگلے سال اِن شاء اللہ طواف ہو ہی جائے گا تب لوگ جان جائیں گے اور قریش بھی کہ اس صلح کے نتیجے میں کون جیتا اور کون ہارا تھا۔ ہوا بھی یہی کہ اگلے برس مسلمانوں نے جس شان و اطمینان سے عمرہ ادا کیا، وہ مشرکین کی مخالفت کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا۔ جو صاحبان علم جانتے ہیں وہ جانتے ہیں، جو نہیں جانتے وہ اس نکتے کو اس کتاب کے باب #۱۸۱ "عمرۂ قضا اور مکے میں قبول اسلام کی لہر" کے مطالعے سے بخوبی سے پاسکیں گے۔

کم و بیش ڈیڑھ ہزار برس بعد آج اُس معاہدہ صلح کے سارے نتائج کو دیکھ لینے کے بعد ہم سیرت نگار اور مورخین اس پر بڑی دانش بگھار سکتے ہیں، لیکن اُس وقت سِوائے ایک اللہ کے نبی اور اُس کے یارِ غار، صدیق اکبرؓ کے کوئی نہ تھا جو اِن برآمد ہونے والے نتائج کا اندازہ کر سکتا، نہ مشرکین قریش کے بوجھ بجھکڑ سرداروں میں اور نہ مخلص مسلمانوں میں! معاہدۂ صلح پر قریش شادیانے بجا رہے تھے اور تکبر کا شکار تھے اور مسلمان اپنی بے وقعتی محسوس کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی رنجش اور بے اطمینانی کی جلتی آگ پر تیل کا کام مکہ میں قید ایک نو مسلم، ابو جندل کی آمد نے کر دیا۔ ہوا یہ کہ عین اس وقت جب صلح کا معاہدہ لکھا جارہا تھا، سہیل بن عمرو کے اپنے بیٹے ابو جندل، جو مسلمان ہو چکے تھے اور کفار مکہ نے ان کو قید کر رکھا تھا، کسی نہ کسی طرح بھاگ کر یہاں آپہنچے۔ وہ زیریں مکہ سے نکل کر آئے تھے۔ انھوں نے یہاں پہنچ کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں اور جسم پر تشدد کے نشانات تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے فریاد کی کہ مجھے اس حبس بے جا سے نجات دلائی جائے۔ صحابہ کرام کے لیے یہ حالت دیکھ کر ضبط کرنا مشکل ہو

گیا۔ سہیل نے کہا: یہ پہلا شخص ہے جس کے متعلق میں آپؐ سے طے شدہ صلح کی رو سے مطالبہ کرتا ہوں کہ آپؐ اسے واپس کر دیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا ابھی تو ہم نے معاہدے کو لکھا بھی نہیں ہے۔ مگر سہیل بن عمرو نے کہا کہ صلح نامے کی دستاویز چاہے مکمل نہ ہوئی ہو، ایک بات جو ہمارے اور آپؐ کے درمیان طے ہو چکی ہے اُس کی پابندی ہونی چاہیے، اگر آپؐ نے اسے واپس نہ کیا تو میں آپؐ سے کسی بات پر صلح کا کوئی معاملہ ہی نہ کروں گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اچھا تو تم اس کو میری خاطر چھوڑ دو۔ اس نے کہا: میں آپؐ کی خاطر بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں، نہیں اتنا تو کر ہی دو۔ اس نے کہا نہیں میں نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی دلیل تسلیم فرمالی اور ابو جندل ظالموں کے حوالے کر دیے گئے۔ سہیل نے اپنے بیٹے، ابو جندل کے چہرے پر چانٹا رسید کیا۔ اور مشرکین کی طرف واپس کرنے کے لیے ان کے کرتے کا گلا پکڑ کر گھسیٹا۔ ابو جندل باآواز بلند مسلمانوں کو پکار کر کہہ رہے تھے: مسلمانو! کیا میں مشرکین کی طرف واپس کیا جارہا ہوں کہ وہ مجھے میرے دین کے متعلق فتنے میں ڈالیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابو جندل! صبر کرو۔ اور اسے باعثِ اجر جانو۔ اللہ تمھارے لیے اور تمھاری مانند جو دوسرے کمزور مسلمان ہیں اُن سب کے لیے رہائی اور خلاصی کی کوئی صورت نکال دے گا۔ ہم نے قریش سے صلح کر لی ہے۔ اور ہم نے ان کو اور انھوں نے ہم کو اس پر اللہ کا عہد (قسم/گواہی) دے رکھا ہے۔ ہم معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ قریش کے وفد کے دوسرے دو افراد مکرز اور حویطب، سہیل کے مقابلے میں نسبتاً سمجھ داری کا مظاہرہ کر رہے تھے، انھوں نے صلح کا آغاز ہی تلخی سے ہونا برا جانا اور رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا کہ اے محمدؐ آپؐ کی طرف سے ہم اِسے پناہ دیں گے، اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ابو جندل کو، اس کے باپ سے لے کر اپنے ساتھ رکھ لیں گے اور اس پر کوئی تشدد نہیں ہو گا۔ اِن دونوں حضرات نے اپنے وعدے کی پوری پاسداری کی۔ جب سہیل اپنے بیٹے جندل کو گھسیٹ کر لے جارہا تھا تو عمرؓ بن الخطاب اچھل کر ابو جندل کے پاس پہنچے۔ وہ ان کے پہلو میں چلتے جارہے تھے اور کہتے جارہے تھے: ابو جندل! صبر کرو۔ یہ لوگ مشرک ہیں۔ ان کا خون تو بس کتے کا خون ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنی تلوار کا دستہ بھی ان کے قریب کرتے جارہے تھے۔ عمرؓ کا بیان ہے کہ مجھے امید تھی کہ وہ تلوار لے کر اپنے باپ (سہیل) کو اڑا دیں گے، لیکن انھوں نے اپنے باپ کے بارے میں بخل سے کام لیا۔ اور معاہدۂ صلح لکھے جانے اور دستخط کیے جانے سے قبل ہی نافذ ہو گیا۔

باوجودیکہ عمرؓ کے اشکالات کا ابو بکرؓ دوٹوک، مختصر اور مدلل جواب دے چکے تھے عمرؓ سے صبر نہ ہو سکا جا کر

وہی سوالات خود رسول اللہ ﷺ سے بھی کر ڈالے، رسول اللہ ﷺ نے بڑے تحمل سے اپنے رفیق کو سمجھایا:

عمر بن الخطابؓ: اے اللہ کے رسولؐ! کیا ہم لوگ حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں ہیں؟

رسول اللہ ﷺ کیوں نہیں؟

عمر بن الخطابؓ: کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں ہیں؟

رسول اللہ ﷺ کیوں نہیں۔

عمر بن الخطابؓ: تو پھر کیوں ہم اپنے دین کے بارے میں دباؤ قبول کریں؟ اور ایسی حالت میں (مدینے واپس) پلٹیں کہ ابھی اللہ نے ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا ہے؟

رسول اللہ ﷺ خطاب کے صاحبزادے! میں اللہ کا رسولؐ ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ وہ میری مدد کرے گا۔ اور مجھے ہر گز ضائع نہ کرے گا،

عمر بن الخطابؓ: کیا آپ ﷺ نے ہم سے یہ بیان نہیں کیا تھا کہ آپ ﷺ بیت اللہ کے پاس تشریف لائیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟

رسول اللہ ﷺ کیوں نہیں، لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسی سال آئیں گے؟

عمر بن الخطابؓ: نہیں۔

رسول اللہ ﷺ تو بہر حال تم بیت اللہ کے پاس آؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔

عمرؓ بن الخطاب بعد میں مدتوں اس پر نوافل اور صدقات ادا کرتے رہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس ناروا جرأت کو معاف فرمادے جو اس روز اُن سے ہو گئی تھی۔ عمرؓ کو اپنی غلطی کا طویل عرصے احساسِ ندامت رہا۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں نے اس روز جو غلطی کی تھی اور جو بات کہہ دی تھی اس سے ڈر کر میں نے بہت سے اعمال کیے۔ برابر صدقہ و خیرات کرتا، روزے رکھتا اور نوافل ادا کرتا اور غلام آزاد کرتا رہا، یہاں تک کہ اب مجھے خیر کی امید ہے۔

قریش کی جانب سے سہیل بن عمرو نے دستخط کیے اور مکرز بن حفص اور حویطب نے گواہان کے طور پر، مسلمانوں کی جانب سے رسول اللہ نے دستخط کیے اور گواہان میں مسلمانوں کے سات افراد نے دستخط کیے؛ ابو بکرؓ، عمرؓ، عبد الرحمٰنؓ بن عوف، عبد اللہؓ بن سہیل بن عمرو، سعدؓ بن ابی وقاص، محمودؓ بن مسلمہ، ابو عبیدہؓ بن الجراح۔ دستخط کرنے والوں میں باپ ایک جانب تھا اور بیٹا دوسری جانب۔ مشرکین کی طرف سے اُن کے وفد

کا قائد سہیل بن عمرو تھا جو معاہدے پر دستخط کر رہا تھا اور مسلمانوں کی جانب سے گواہان کے دستخط میں اُس کا بیٹا عبداللہؓ بن سہیل بن عمرو شامل تھا، وہ جو ابو جندلؓ کا سگا بھائی تھا۔ وہ جسے اُس کا باپ میدان بدر میں زبردستی مسلمانوں سے جنگ کے لیے لایا تھا مگر وہ تو میدانِ جنگ پہنچ کر ایک ہی جست میں مسلمانوں کے کیمپ میں شامل ہو گیا۔ سہیل بن عمرو بھول گیا تھا کہ وہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوا تھا، اُس کو عزت دی گئی تھی وہ دیگر ستّر قیدیوں کی مانند مسجد کے ستونوں سے نہیں باندھا گیا تھا بلکہ سردار قریش ہونے کے ناطے بندھے ہاتھوں سہی مگر رسول اللہ کے حجرے میں بٹھایا گیا تھا۔ جہاں اُس کی بھابھی نے اپنے سردار کو دیکھ کر کہا تھا تم یہاں! (تم نے قید کی ذلت برداشت کی میدان میں بہادری سے نہ مر گئے، پورے قبیلے کی رسوائی کا باعث بنے ہو؟) آج وہی سہیل قید سے رہائی پا کر، خندق پر مزید ذلیل ہو کر بات بات پر صلح نہ کرنے کی دھمکی دے رہا تھا اور ایک ایک جملے پر اپنی دانش دکھا رہا تھا۔ [یہی سہیل بن عمرو جب ایمان لے آئے اور صحابیٔ رسولؐ، سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ بن گئے تو ہماری آنکھوں کے تارے ہیں! وقت کی گردش نے ایمان کے طفیل ایک شخصیت میں سے بالکل نئی شخصیت پیدا کی]

معاہدے کی تکمیل پر جب عمرؓ بن الخطاب سے بطور گواہ دستخط کے لیے کہا گیا تو انھوں نے فوراً ہی خاموشی سے دستخط کر دیے۔ صلح سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ اب یہیں حدیبیہ میں قربانی کر کے سر منڈواؤ اور احرام ختم کر دو۔ مگر اصحابؓ پر رنج و غم اور دل شکستگی کا ایسا شدید غلبہ تھا کہ کوئی اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ حکم دیا، مگر صحابہؓ نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی، حقیقت یہ تھی کہ اُن کے کان کچھ سُن ہی نہیں رہے تھے کیوں کہ وہ کچھ غم میں ایسے ڈوبے تھے کہ دنیا و مافیہا سے بہت دور تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے پورے دورِ رسالت میں اس ایک موقع کے سوا کبھی یہ صورت پیش نہ آئی تھی کہ آپؐ صحابہ کو حکم دیں اور وہ اس کی تعمیل کے لیے دوڑ نہ پڑیں۔ رسول اللہ ﷺ کو اس پر سخت صدمہ ہوا اور آپؐ نے اپنے خیمے میں جا کر اپنی بیوی ام سلمہؓ سے اپنی آزردگی کا اظہار فرمایا۔ ام المومنینؓ نے کہا: یا رسول اللہؐ! اگر آپؐ یہی چاہتے ہیں تو پھر آپؐ تشریف لے جائیے اور کسی سے کچھ کہے بغیر چُپ چاپ اپنا جانور ذبح کر دیجیے۔ اور اپنے حجام کو بلا کر سر منڈا لیجیے۔ لوگ سمجھ لیں گے کہ جو فیصلہ ہو چکا ہے وہ اب بدلنے والا نہیں ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے۔ اور کسی سے کچھ کہے بغیر یہی کیا۔ یعنی اپنا ہدی کا جانور ذبح کر دیا۔ اور خراشؓ کو اپنے خیمے میں بلا کر کہا کہ وہ آپؐ کا سر مونڈ دیں۔ یہ وہی صحابی ہیں جنھیں آپؐ نے

عثمانؓ سے قبل مکہ والوں کے پاس بھیجا تھا۔ سر منڈوانے کے بعد آپؐ خراشؓ کو لے کر خیمے سے باہر تشریف لائے۔ آپؐ اپنے خیمے کے سامنے سر منڈائے کھڑے تھے۔ جیسا کہ ام المومنین امِ سلمہؓ نے کہا تھا ویسا ہی ہوا، آپؐ کے فعل کو دیکھ کر لوگوں نے بھی آگے بڑھ کر اپنی قربانیاں کر لیں اور اس کے بعد باہم ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔ جوش بھی تھا اور غم بھی جس سرعت سے کام ہو رہا تھا اُس کی کیفیت یہ تھی کہ معلوم ہوتا تھا ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے۔

نبی اکرم ﷺ کا اپنے تمام اصحابؓ کے ساتھ اور خصوصاً عمر بن الخطابؓ کے ساتھ اُن کے ایک درجے میں ناروا طور سے اظہارِ جذبات کے باوجود، جو فراخ دلانہ اور عفو و درگذر کا معاملہ رہا وہ آنے والے زمانوں میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اُٹھنے والے مسلمانوں کے قائدین کے لیے ایک ایسی مشکل ترین سنّت بن گیا جس پر کم ہی تھے، جو عمل کر کے دکھا سکے اور دوسری جانب سیّدنا عمرؓ بن الخطاب کی احساسِ ندامت اور پیوستہ رہ شجر والی سنّت پر بھی عمل، کوئی آسان کام نہیں رہا اور صدیق کی سنّت تو، محال تر است! ایک روز مسلمانوں کی تاریخ کی گزرگاہ میں احیائے دین کے لیے اُٹھنے والے مسلمانوں کے تمام ہی قافلے اُس وحدہ لاشریک کے سامنے جمع ہو جائیں گے اور سمندر کے جھاگوں سے فزوں تر عفو و کرم کی بارش سب کو نہلا دھلا کر پاک و صاف کر دے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے سر منڈانے والوں کے لیے تین بار مغفرت کی دعا کی۔ اور قینچی سے کچھ لٹیں کٹوانے والوں کے لیے ایک بار۔ بعض روایات کے بموجب جب عُمرے کے ارکان سب نے ادا کر لیے تو آپ ﷺ اپنے خیمے کے سامنے سر منڈائے کھڑے تھے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کی رحمت ہو اُن پر جنھوں نے اپنا سر منڈوایا۔ اس پر وہ صحابہؓ جنھوں نے بالوں کی محض کچھ لٹیں ترشوانے پر اکتفا کیا تھا، انھوں نے احتجاج کیا اور کہا "اور وہ جنھوں نے بال ترشوائے ہیں" لیکن آپ نے وہی کلمات دہرائے تو احتجاجی آوازیں مزید بلند ہوئیں۔ اس کے بعد آپؐ نے تیسری بار وہی کلمات دہرائے تو مزید احتجاج کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ "اور اُن پر بھی جنھوں نے اپنے بالوں کو ترشوایا"۔ بعد میں جب آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ پہلے آپ نے تین بار دعائیہ کلمات صرف اُن کے حق میں کیوں فرمائے، جنھوں نے اپنے سر منڈوائے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ شک میں نہیں پڑے (غالباً عمرے کے اس سفر کے بخوبی پورا ہو جانے کے بارے میں)۔

اسی سفر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت کعبؓ بن عجرہ (جنھیں ایک عذر کی بنا پر اپنا سر حالتِ احرام میں منڈوانا پڑا تھا) کے سلسلے میں یہ حکم بھی نازل فرمایا کہ جو شخص اذیّت / مجبوری کے سبب اپنا سر (حالت احرام میں، قربانی

سے قبل) منڈوالے وہ روزے یا صدقے یا ذبیحے کی شکل میں فدیہ دے۔

اسی موقع پر جب گائے اور اونٹوں کی قربانیاں پیش کی جارہی تھیں رسول اللہ ﷺ نے سردارانِ قریش کے درمیان صلح سے متنفر اور جنگ کے لیے بے چین ایک سردار، عکرمہ کے باپ ابوجہل کا ایک قیمتی اونٹ ذبح کیا جس پر سوار ہو کر ابوجہل میدانِ بدر میں آیا تھا، وہ خود تو بچوں کے ہاتھوں وہاں رسوا ہو کر قتل ہو گیا تھا اور اُس کا اونٹ مسلمانوں کے قائد ﷺ کے ہاتھوں میں آج کے دن ذبح ہونے کے لیے موجود تھا، اُس کی ناک میں چاندی کا ایک حلقہ تھا۔ مشرکین نے اپنے سردار کے اونٹ کے یہاں ذبح ہونے کو اپنی توہین جانا اور چاہا کہ اُسے واپس مانگا جائے یا ذبح ہونے سے روکا جائے، لیکن معاہدہ طے ہو چکا تھا کہ قربانی کے لائے ہوئے جانور یہاں حدیبیہ ہی میں ذبح کیے جائیں گے، مشرکین کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی کہ روک سکتے، مشرکین کی جانب سے سہیل بن عمرو نے چوں کہ معاہدہ طے کیا تھا اِس لیے اُسی پر دباؤ رہا ہو گا کہ وہ اِس اونٹ کو ذبح نہ ہونے دے، اُس نے اپنے لوگوں کو ڈانٹا اور کہا کہ اگر تم کو (اپنے سردار کا وہ) وہ اونٹ اتنا عزیز ہے تو اُس کے بدلے سو (۱۰۰) اونٹ محمد (ﷺ) کے پاس لے جاؤ، جب مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو یہ پیشکش کی تو آپ نے کہا کہ وہ تو قربانی کے لیے نام زد ہے، قربان ہی ہو گا۔ حقیقت یہ تھی اس اونٹ کے ذبیحے کا مقصد مشرکین کو طیش یا عار دلانا نہیں بلکہ یہ احساس دلانا تھا کہ جاہلیت ذبح ہو رہی ہے مزید جنگ بازی لاحاصل ہے! ....اور یہ بات جلد سب کی سمجھ میں آ گئی۔

گزرتے وقت نے ثابت کر دیا کہ یہ معاہدہ اوّل تا آخر مسلمانوں کے فائدے پر ہی منتج ہوا، دو برس کے اندر اس معاہدے کی وجہ سے مکہ مغلوب ہو گیا اور نظامِ باطل کے آثار مکہ سے مٹا دیے گئے۔ دوسری اور چوتھی دفعات پر مناسب تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے، مزید اِن دو دفعات کی حکمت آنے والے دو ابواب ۱۷۴ [مابعد فتح مبین] اور ۱۸۲ [عمرۂ قضا اور مکے میں قبول اسلام کی لہر] کے مطالعے سے بہت واضح ہو جائے گی۔ مناسب ہے کہ باقی دیگر دفعات پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے۔

دفعہ#۱: دس سال تک فریقین جنگ بند رکھیں گے۔ اس عرصے میں لوگ مامون رہیں گے۔ کوئی کسی پر ہاتھ نہیں اُٹھائے گا اور ایک دوسرے کے خلاف خفیہ اور علانیہ کوئی کاروائی نہ کی جائے گی.....

دس سال کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ ہو جانے سے مدینہ کی مملکت کو جنوب کی (یعنی قریش کی) جانب سے روز

روز کے حملے کے خطرے سے امن میسر آ گیا، چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے اطراف و نواح کے تمام ممالک کے سربراہان کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دینے کے لیے سفیر بھیجے جس کی تفصیل ان شاءاللہ باب ۱۷۶ [سلاطین کے نام خطوط] میں پیش کی جائے گی۔ یہ سفارتیں اسلام کو بین الاقوامی دین کے طور پر پیش کرنے اور منوانے کا پیش خیمہ بنیں، اُس دور کی بڑی طاقتوں، روم اور ایران کی سلطنتوں سے انھی سفارتوں کے ذریعے تعامل کا آغاز ہوا جو مستقبل قریب میں اِن کے مغلوب ہو جانے اور اسلام کو اِن حدود میں داخل ہونے کا سبب بنا۔ قریش سے امن نے یہ موقع عطا کیا کہ خیبر کے یہودیوں اور آزاد منش لٹیرے قبائل پر حملہ کر کے اِن کی روز روز کی ریشہ دوانیوں سے نجات حاصل کی جائے۔ اس کی تفصیلات بھی اگلے ابواب میں آ رہی ہیں۔

دفعہ#۳: جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدوپیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہوسکے گا۔ اور جو قریش کے عہدوپیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہوسکے گا۔ جو قبیلہ جس فریق میں شامل ہوگا اس فریق کا ایک جزو سمجھا جائے گا۔ لہٰذا ایسے کسی قبیلے پر زیادتی ہوئی تو خود اس فریق پر زیادتی متصور ہوگی۔

سید مودودیؒ اس دفعہ پر تبصرہ فرماتے ہیں: "اِس دفعہ کے پیچھے صاف طور پر یہ نفسیاتی کیفیت کارفرما نظر آتی ہے کہ قریش کو دنیاوی صدر نشینی اور دینی پیشوائی کا جو منصب حاصل تھا اُسے انھوں نے بالکل بھُلا دیا تھا۔ اور اب انھیں صرف اپنی پڑی تھی۔ ان کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا کہ بقیہ لوگوں کا کیا بنتا ہے۔ یعنی اگر سارے کا سارا جزیرۃ العرب حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائے تو قریش کو اس کی کوئی پروا نہیں۔"

یہی وہ دفعہ تھی جس کی پابندی قریش سے نہ ہو سکی، انھوں نے مدینے کے حلیف قبیلے بنو خزاعہ پر اُس کے دشمنوں کے حملے کے دوران دشمنوں کا قتل و غارت گری میں ساتھ دیا۔ معاہدے کی اس خلاف ورزی کی بنا پر معاہدہ کالعدم ہو گیا اور نبی اکرم ﷺ دس ہزار کا لشکرِ جرار لے کر مکہ پہنچ گئے، قریش میں مقابلے کی طاقت نہیں تھی سرینڈر کر گئے، یوں مکہ بھی اس معاہدے کی بدولت دو سال گزرنے سے قبل اسلام کے زیرِ نگیں آ گیا۔

دفعہ#۵: محمد (ﷺ) کے لوگوں میں سے جو حج، عمرے یا تجارت کے لیے مکہ آئے تو اُس کی جان و مال کو امان ہوگا اور قریش کا جو شخص تجارت کے لیے مصر، شام جاتے ہوئے مدینے سے گزرے تو اُسے جان و مال کا امان حاصل ہوگا۔

مکہ اور مدینہ کے درمیان اس آزادانہ آنے جانے اور دفعہ #۱ کے تحت اپنی نفرتوں اور مخالفتوں کو سینوں میں

چھپانے کی وجہ سے مشرکین قریش کی آنکھوں سے پردے ہٹنے شروع ہو گئے، انھوں نے مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق و اوصاف کے ساتھ مسلمانوں کی سماجی اور معاشی خوش حالی اور پیش قدمی کا مشاہدہ کیا تو وہ جان گئے کہ اُن ہی جیسے فضول لوگ اسلام کی بدولت کتنے عمدہ اور پسندیدہ انسان بن گئے ہیں اور یثرب جیسا ایک پس ماندہ طبقہ جہاں عرب یہود کے مقروض اور اُن سے علمی اعتبار سے مرعوب تھے وہ کس طرح مالی، سیاسی اور علمی اعتبارات سے اُن سے کہیں زیادہ بہتر ہو گئے۔ اسلام کی برکات کا انھوں نے مدینے میں اور مسلمانوں میں مشاہدہ کیا، وہ اسلام کے قائل ہو گئے اور دھڑا دھڑ مسلمان ہونے لگے، قریش کا یہ پروپیگنڈا کہ اسلام نری بے دینی ہے، مسلمانوں سے میل ملاپ کے بعد اور اطمینان سے قرآن کو سننے کے ذریعے بالکل ختم ہو گیا اور اطراف و جوانب سے ہزاروں ہزار لوگ مسلمان ہونے شروع ہوئے، یہ اِس کی برکت تھی کہ آپ فتح مکہ میں دس ہزار مجاہدین لے کر گئے جب کہ دو برس قبل عمرے کے لیے جاتے ہوئے صرف ۱۴۰۰ لوگ تھے۔ اور پھر دو برس بعد حجۃ الوداع کے موقع پر یہ ایک لاکھ کے قریب تھے۔ اسلام کی یہ ساری پیش قدمی اور عسکری فتوحات صلح حدیبیہ کی برکات تھیں۔

دفعہ#۶: قربانی کے جانور (جو محمد (ﷺ) ساتھ لائے ہیں) وہیں رہیں گے جہاں ہم نے اِن کو پایا ہے (یعنی حدیبیہ میں) اور یہیں اِن کو ذبح کر دیا جائے گا اور اِن کو ہمارے پاس (مکہ میں قربانی کے لیے) نہیں لایا جائے گا اور صراحت ہے کہ ہمارے اور تمھارے حقوق برابر کے ہوں گے۔

ظاہر ہے جب اس برس عمرہ نہیں کریں گے تو قربانی کے جانور اپنے ساتھ تو واپس نہیں لے جائیں گے۔ یہیں ذبح کریں گے اور واپس ہو جائیں گے۔ یہ دفعہ قریش نے اپنی ناک اونچی رکھنے اور دفعہ#۴ کو موکد کرنے کے لیے شامل کروائی، اس کے علاوہ یہ دفعہ کوئی اہمیت و حیثیت نہیں رکھتی۔ دفعہ#۴ کو ہم زیرِ بحث لا چکے ہیں۔

ابن ہشام لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ واپس آئے تو لوگوں نے سوال کیا کہ:

کیا آپؐ نے یہ نہ کہا تھا کہ ہم امن امان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں گے؟

آپؐ نے فرمایا، کیوں نہیں، لیکن کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ اسی برس؟

لوگوں نے جواب دیا کہ نہیں،

آپؐ نے فرمایا جو کچھ جبرئیلؑ نے مجھ سے کہا تھا وہی میں نے تمھیں بتا دیا۔